صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) باقاعدہ راج اور منظم دستوری حکومت قائم ہو چکی ہے جسے مدینے کے باشندے بہ رضا و رغبت تسلیم کر چکے ہیں۔ عبداللہ بن ابی کی شاہی کا خواب بکھر چکا ہے اور اس کی حیثیت عام باشندہ کی ہو گئی ہے۔ پورا مدینہ حرم قرار دیئے جانے کے بعد امن و امان کا گہوارہ بن گیا ہے اور وہاں کے رہنے والے مختلف النوع عناصر اطاعت و انقیادِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ پر متفق ہو چکے ہیں۔

ان متغیر حالات میں بے چارے عبداللہ بن ابی کی حیثیت ہی کیا رہ گئی تھی؟ وہ بھلا قریش کے خط کا کیا جواب دیتا؟ تلملا کر رہ گیا۔ اور بہ قول مولانا سلیمان منصور پوری وہ چوں کہ فی الحقیقت اسلام کو اپنی آرزؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لئے جب موقع ملتا تو مسلمانوں کو ضرر رسانی میں بھی دریغ نہ کرتا۔ (۴)

مختصر یہ کہ قریش کی یہ تمنا بھی جسے اپنی خام خیالی میں حاکم یثرب عبداللہ بن ابی کے ذریعے پورا کرنا چاہتے تھے۔ محض نقش بر آب ثابت ہوئی۔ گویا انہیں ایک اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ان کی توہین تھی۔ عبداللہ بن ابی کی طرف سے مایوس ہو کر انہوں نے یہود کو بھی بھڑکانا چاہا مگر متغیر حالات کے تحت وہ بھی کام نہ آ سکے مولانا سلیمان منصور پوری اسے قریش کی مسلمانوں کے خلاف دوسری سازش قرار دیتے ہیں۔ (۵) اس کے بعد ہی قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ تم مغرور نہ ہو جانا کہ ہم سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ (۶)

حالات و واقعات کا یہ پورا پس منظر بتا رہا ہے کہ مخالفت و عداوت کے اس دوسرے مرحلے میں قریش کے عزائم واضح تھے۔ اُن کے نزدیک رسولِ ہاشمی و مطلبی ﷺ کو سزا دینے اور مسلمانوں سے بدلہ لینے نیز ان دونوں کو پناہ دینے والوں کو سبق سکھانے کے لئے گویا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا یعنی طاقت کی زبان میں بات، بھرپور کاروائی، چاہے اس کی خاطر دھن دولت سرمایہ لگے یا سازش و فریب چال بازی سے کام لینا پڑے۔ چنانچہ آئندہ آنے والے دور میں ان باتوں کی تصدیق ہو گئی۔

اس اجمال کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ وضاحت اشد ضروری ہے کہ مجتمع اسلامی کے سربراہ اور حکمرانِ ریاست مدینہ کی حیثیت سے مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہت سے مسائل حل طلب، بہت سے امور مستحق توجہ اور اہداف منتظر نگاہ تھے۔ مثلاً:

۱۔ دعوتِ توحید، اشاعت اسلام، اقامتِ دین کی جدوجہد کارِ رسالت اور عالم گیر دعوتی مشن کی تکمیل۔

۲۔ اسلامی معاشرے کی تنظیم، جماعت المسلمین کے اتحاد و سالمیت کا انتظام اور تعلیم و تربیتِ دین۔

۳۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری ان کے گزر بسر کا بندوبست۔

۴۔ نوزائیدہ ریاست مدینہ کی نشوونما، اس کی حفاظت و بقا، قریش اور دیگر اسلام دشمن قوتوں سے حفاظت و مدافعت، اس کا نظم ونسق اور اس کی حدود میں بسنے والے مختلف عناصر کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین، انصاف رسانی اور حکومت کی رِٹ (تحکّم) برقرار رکھنا۔

ان مسائل کے حل کے لئے جو اقدامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، ان کی تفصیل میں جانا ہمارے موضوع بحث کا تقاضا نہیں۔(۷) تاہم یہ امر قابل ذکر ہے کہ چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ ذہن، مثبت سوچ، بہترین اخلاق اور ایک عالم گیر اصلاحی دعوت کے علم بردار تھے اس لئے قریش کی منفی سوچ، منتقمانہ ذہنیت اور معاندانہ کاروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے دوسرے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ بہترین منصوبہ بندی کے تحت انتہائی موثر انتظامات اور بروقت اقدامات فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ اور دیگر تمام دشمنانِ اسلام کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

(۳)

بہر حال ہجرت مدینہ کے بعد توسیع عداوتِ قریش اور توسیع دعوتِ نبوی کا وقت زمانہ اور حالات و ظروف کی تبدیلی کے ساتھ جائزہ اگر چہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توسیع عداوت اور توسیع دعوت دونوں حوالوں سے اس وقت تک کا ایک میزانیہ (Balance Sheet) ہمارے سامنے آجائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ دعوتِ نبوی اور عداوتِ قریش دونوں کی پہلے مرحلے یعنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں) ترقیاتی جہات، رفتار کار کیا رہی، عوام الناس تک ان کی رسائی، نفوذ اور اثر پذیری کی کیفیت، ماحصل اور نتیجہ کیا رہا نیز دونوں کی کامیابی اور ناکامی کا تناسب معروف حسابی طریقے سے بہ یک نظر معلوم ہونا خوش گوار ہوگا۔ اس غرض سے ذیل میں دو خاکے دیئے جا رہے ہیں ان کی ضروری تفصیل، اس دور کے جائزے پر مشتمل گزشتہ مقالات میں بیان کی جا چکی ہے ایک خاکہ الف عمودی پیشکش (Bar presentation) پر مبنی ہے جس کے تحت زوایۂ قاعدہ پر مدت کی صراحت ہے اور عموداً زاویۂ قائمہ پر دعوتِ نبوی کی ترقیاتی جہت اور اس کے پہلو بہ پہلو عداوتِ قریش کی رفتارِ ترقی نمایاں کی گئی ہے۔

دوسرا خاکہ ب متقابل خطوط منحنی، تمیزی (Differential Curve) پر مشتمل ہے جس میں خطِ اعلیٰ (upper line) دعوتِ نبوی کی جہت ترقی ظاہر کر رہا ہے جب کہ خط اسفل (Lower line) عداوتِ قریش کا فروغ نمایاں کر رہا ہے۔ خاکہ الف کی طرح قاعدہ مدت اور سنین جب کہ قائمہ فروغ و ارتقا کو ظاہر کر رہے ہیں (مزید توضیحات کو حاشئے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔(۸)

نقشہ/ خاکہ الف

Probable development of Holy Prophet's mission at MAKKAH (Dawat)

As against opposition of QURAISH (Adawat)

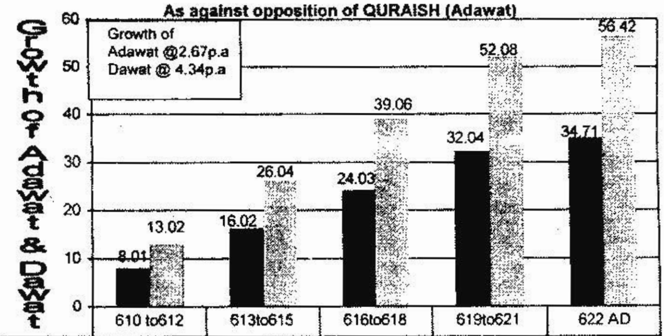

	610 to612	613to615	616to618	619to621	622 AD
ADAWAT	8.01	16.02	24.03	32.04	34.71
DAWAT	13.02	26.04	39.06	52.08	56.42

Years of preaching at MAKKAH -13YRS message struggle

نقشہ/ خاکہ ب

Probable development of Holy Prophet's mission at MAKKAH (Dawat)

As against opposition of QURAISH (Adawat)

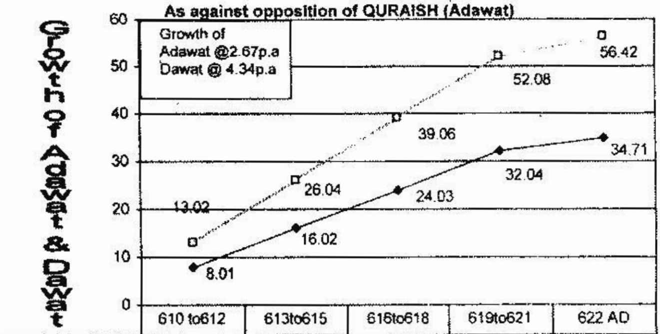

	610 to612	613to615	616to618	619to621	622 AD
ADAWAT	8.01	16.02	24.03	32.04	34.71
DAWAT	13.02	26.04	39.06	52.08	56.42

Years of preaching at MAKKAH -13YRS message struggle

(۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد مدینہ کے فوراً بعد پہلے ہی سال بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ابتدائی ۶، ۷ ماہ میں جو کام انجام دیئے اور جو اہم اقدامات فرمائے، ان میں اولاً مسجد کی تعمیر (پہلے مسجد قبا پھر مسجد نبوی) ثانیاً مواخاۃِ صحابہ اور ثالثاً منشورِ مدینہ کا ابرزنمایاں ترین ہیں، جن سے بہ یک وقت، دعوتِ توحید اشاعتِ اسلام کی پیش رفت، اسلامی معاشرے کی تنظیم، اسلامی جماعت کے اتحاد وسالمیت، مہاجرین مکہ کی آبادکاری اور ان کے گزر بسر کا انتظام بھی ہوا اور ریاست مدینہ کی تشکیل، اس کی حفاظت و بقا، نظم ونسق اور اس کی حدود میں بسنے والے مختلف النوع وعناصر کے درمیان حقوق وفرائض کی تعیین، ان کے معاشرتی معاملات میں انصاف رسانی اور اطراف وجوانب میں مکمل امن وامان کے ساتھ انسانی زندگی کی حفظ وبقا کی ضمانت فراہم ہوگئی۔

شہری ریاست مدینہ کے اس ہمہ گیر انتظام وانصرام میں خاص بات یہ ہے کہ تمام باتوں کے ساتھ ساتھ قریش مکہ کی طرف سے لاحق خطرات کو قرار واقعی اہمیت دیتے ہوئے ان خطرات کا مقابلہ کرنے اور ان کے سد باب بلکہ مؤثر دفاع کے لئے ضروری اقدامات کو ترجیحات میں شامل کیا گیا۔ قریش مکہ کی طرف سے جتنا خطرہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ کی جانوں کو تھا۔ (۹) اس سے زیادہ خطرہ اُس نوزائیدہ ریاست مدینہ کو تھا جو ہنوز ایام طفولیت میں تھی۔ چنانچہ اس غرض سے:

ا۔ ایک ضروری دستوری قدم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اٹھایا کہ بہ طور حکمرانِ ریاست مدینہ، (مدینہ طیبہ آمد کے چھٹے، ساتویں مہینے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان حکم نامہ (Charter) جاری فرمایا جسے ڈاکٹر حمید اللہ دنیا کی کسی بھی ریاست کا پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہیں۔ (۱۰) اور جس کے تحت منجملہ دوسری دفعات وتفصیلات کے حدودِ ریاست میں بسنے والے مختلف الاجناس باشندوں پر یہ لازم کر دیا گیا کہ الف: قریش مکہ اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔ ب: اور مدینے کا کوئی مشرک غیر مسلم قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہیں دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلے پر اس (قریش) کی حمایت و مدد کرے گا۔ ج: اور مدینے پر جو بھی حملہ آور ہوگا تو اس کے مقابلے میں سب (یہودیوں اور مسلمان اور دیگر) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ نیز د: حدودِ مدینے کا تمام داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت سے لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، قتل وغارت گری وغیرہ کے لئے ممنوع متصور ہوگا۔ (۱۱) ان دفعات (ہدایات) پر عمل پیرا ہونا تمام باشندگان ریاست مدینہ کے لئے لازمی امر تھا۔ مسلم اور

غیر مسلم دونوں طبقات پر ایک فرض اور حکم کی حیثیت سے نافذ ہونے کے سبب قریش کی ناکہ بندی اور مدینہ کے دفاع کا بہ یک وقت انتظام اس بات کو مستلزم تھا کہ مدینہ کی پوری آبادی میں کوئی ایک متنفس بھی علی الاعلان قریش کی مدد واعانت پر تیار نہ ہوگا۔ اور اسے قریش کی ہر قسم کی معاونت سے کنارہ کش رہنا ہوگا۔ اس طرح اصولی اور بنیادی طور پر قریش کی ممکنہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی پوری آبادی کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ اور کسی اقدام کی صورت میں داخلی طور پر کسی انتشار یا اختلاف کے امکانات باقی نہ رہے، ریاست کے باشندے اگر کسی دشمن کے خلاف یک ساں موقف رکھتے ہوں تو دفاع میں مشکلات پیش نہیں آتیں۔

۲۔ ریاست مدینہ کے داخلی انتظامات فرمانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوزائیدہ مملکت کو ممکنہ بیرونی خطرات سے بچانے کے لئے عموماً اور قریش کی معاندانہ کاروائیوں پر مطلع رہنے، ان کے جارحانہ عزائم کا پتہ لگانے کے لئے خصوصاً نیز مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب میں ریاست مدینہ کے وجود وقوت کا احساس دلانے کے لئے مہاجرین صحابہ کی سرکردگی میں گشتی دستے اور چھوٹی بڑی طلایہ گرد جماعتیں (جنھیں اصطلاحاً سریئے سے موسوم کیا جاتا ہے) ضروری ہدایات کے ساتھ روانہ فرمائیں۔ (۱۲) ان سرایا کی تعداد کے بارے میں مورخین اور اصحاب سیر کا بیان مختلف ہے، بعض کے نزدیک ان کی مجموعی تعداد ۳۵ بعض کے ہاں ۴۸، ۵۰ اور ۶۶ ہے۔ جب کہ کچھ ان کی تعداد ۷۳ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان سرایا کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں مقیم رہ کر نگرانی اور جملہ انتظامات فرماتے رہے۔ صحابہؓ کے زیر کمان مہمات (سرایا) کے علاوہ وقت حالات کا جب بھی تقاضا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس پیش قدمی فرماتے اور مہمات کی قیادت فرماتے تھے (جنہیں اصطلاحی طور پر غزوات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (۱۳) غزوات کی مجموعی تعداد ستائیس (۲۷) ہے پہلا غزوہ غزوہ ودّان، غزوۃ الابواء ہے جو ۲ھ/ اگست ۶۲۳ء میں پیش آیا، جب کہ آخری غزوہ تبوک ۹ھ/ ۶۳۰ء کا واقعہ ہے۔ ان تمام مہمات (سرایا اور غزوات) کا ضمنی فائدہ ایک تو یہ تھا کہ ان مہمات پر روانہ ہونے والے صحابہ میں (فرض کی ادائیگی کے لئے) مستعدی چستی اور جابک دستی بے پناہ بڑھ گئی۔ سستی سے دور، ہر آن چوکنا، بر وقت کاروائی کے لئے تیار، دل دماغ، ہوش گوش سب آمادہ، حکم کی فوری تعمیل، کم وقت میں زیادہ کارکردگی ان خوبیوں کے سبب وسائل کی کم یابی بہترین نتائج کے حصول میں آڑے نہیں آسکی۔ دوسرے سرایا کی کثیر تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے یہ دستے مدینے کے جنوب شمال مشرق ومغرب یعنی مختلف الاطراف میں مختلف مقامات اور مختلف قبائل کے مراکز کی طرف بھیجے گئے جو صحراؤں ریگستانوں پہاڑوں وادیوں اور

ساحلوں میں رہتے تھے، ان کی زمینوں تک رسائی، ان کے علاقوں کا مشاہدہ، راستوں سے واقفیت، ان کی آبادیوں ان کی کیفیت وکمیت کا اندازہ ہوجانے سے ریاست مدینہ کے لئے دفاعی منصوبہ بندی اور حسبِ ضرورت ان کی طرف پیش قدمی میں حائل مشکلات کو سمجھنا آسان ہوگیا۔ نیز مدینے کے چہار جانب صحابہ کے ان دستوں (سرایا) کا آزادانہ سفر اور بہادری و بے خوفی کے ساتھ گشت (جن میں زیادہ تر مہاجر صحابہ شامل ہوتے تھے) ریاست مدینے کے وجود وقوت کا اظہار بھی تھا اور اس کے دائرۂ اثر کی وسعتوں کی بھی نشان دہی ہوتی تھی۔ مثلاً پہلا سریہ، سریۂ حمزہ میں العیص، سریۂ عبیدہ میں رابغ، سریۂ سعد بن ابی وقاص میں الخرار اور سریۂ عبداللہ بن جحش میں نخلہ تک رسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے کے آس پاس سیکڑوں میل تک صحابہ کے ان دستوں کی تگ وتاز نے ان مقامات کی آبادیوں میں بلکہ قریش مکہ تک کو حیران کردیا کہ مکہ سے جانے والے بے سروسامانوں کی اب اتنی ہمت وجرأت ہوگئی ہے کہ اُن کے منہ پر ان کی دہلیز (نخلہ) تک آکر انہیں للکار رہے ہیں۔ اسی طرح سرایا میں مہاجر صحابہ کی اعلیٰ کارکردگی اور شان دار نتائج کا اصل سبب ان کی کمیت، عددی قوت یا اسلحہ نہیں تھا بلکہ ان کا ایمان، اللہ ورسول کی محبت، جذبۂ جہاد، صبر وثبات، بے جگری، بے خوفی تھا۔ نیز یہ امر باعث تعجب تھا ان غزوات وسرایا میں حصہ لینے والوں کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ پہلے سے انہیں کوئی فوجی تربیت، جنگی مشق یا ٹریننگ حاصل نہیں تھی، تاہم جب کفر وشرک، باطل سے ٹکرانے کا موقع پیش آیا تو اکثر وبیشتر افرادی قوت کی کمی اور اسلحہ ساز وسامان کی قلت کے باوجود مجاہدین صحابہ سرفروشانِ اسلام نے اعلیٰ ترین کارکردگی کا ثبوت دیا۔ یہ نتائج سرایا اور غزوات دونوں میں یک ساں طور پر ظاہر ہوئے۔

۳۔ مدینہ منورہ میں بجائے جو متعدد قبائل آباد تھے (۱۴) اور یہ کارنامہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تاریخ میں پہلی مرتبہ انجام دیا گیا تھا کہ باہم متحارب اور متفرق قبائل کو دین وایمان کی بنیاد پر ایک ریاستی نظم ونسق کے تحت یک جا و یک جان کردیا گیا تھا (۱۵) اور اس کی قیادت وسربراہی اتفاق رائے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی نیز ریاست مدینہ کے آس پاس شمال جنوب مشرق مغرب ہر طرف قبائل ہی قبائل آباد تھے اور یہ سلسلہ خاص طور پر جنوب میں مکہ مکرمہ اور اس کے بعد تک چلا گیا تھا۔ قریش مکہ کو سارا عرب جانتا تھا اور خانہ کعبہ کی تولیت ومجاورت کے سبب ان کا ادب واحترام کرتا تھا۔ اس لئے وہ بااثر قبائل جو مکے اور مدینے کے راستے میں آباد تھے، کسی وقت قریش کے ہم نوا بن کر ریاست مدینہ کے لئے مشکلات پیدا کرسکتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اور ایسے چیدہ چیدہ قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعہ اپنے ساتھ ملالیا۔ یا ان کو امان نامہ

دے کر اپنے اختیار و اقتدار کو منوالیا، یا کم از کم انہیں قریش کی امداد و اعانت سے کنارہ کشی اختیار کر لینے پر آمادہ کرلیا۔(۱۶) (مثلاً بنوضمرہ، بنومدلج، جہینہ، مزینہ وغیرہ) اس حکمت عملی کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ریاست مدینہ کی قوت اور استحکام میں بے پناہ اضافہ ہوا بلکہ ان روابط کے نتیجے میں قریش کی قوت کو کم کرنے میں مدد ملی۔ اور خاص بات یہ ہے کہ یہ کام صفر تا جمادی الآخر ۲ھ چار ماہ کی قلیل ترین مدت میں انجام پذیر ہوا۔ گویا قریش سے پہلی با قاعدہ جنگ (یعنی غزوۂ بدر) سے ڈھائی ماہ پہلے اور دستور کے اجرا کے بعد چھ ماہ کے دوران۔ یہ مقاصد حاصل کر لئے گئے۔ ان تفصیلات سے یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ریاست مدینہ کی تعمیر و ترقی کے لئے دوسرے امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ قریش مکہ کی جانب سے متوقع حملے کی پیش بندی اور شر انگیزی کی ممکنہ صورتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضروری انتظامات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے ہی حتمی شکل دے دی۔

(۵)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہل ایمان چوں کہ ہجرت کے بعد قریش مکہ کی پہنچ سے دور ہوگئے تھے اس لئے قریش مکہ کے سامنے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے، اور انہیں قرار واقعی سزا دینے کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی بچا تھا، جنگ کا زور و قوت دکھانے کا، اور تمام تر وسائل جمع کر کے طاقت سے کام لینے کا راستہ۔ ان کا یہ جنگی جنون رجب ۲ھ میں بہ مقام نخلہ سریہ عبداللہ بن جحش (۱۷) کے واقعے سے (جس میں ۹ صحابہ کے دستے سے قریشی قافلے کے ٹکراؤ میں عمرو بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا جو ابوسفیان کے باپ حرب کا حلیف تھا اور دو قید ہوئے ایک ابوجہل کے باپ کا غلام الحکم بن کیسان اور دوسرا اس کے چچا ابوربیعہ کا پوتا عثمان)۔ انتقام میں تبدیل ہوگیا اور جنگ بدر کا سبب و محرک ثابت ہوا جنگ کی تیاری اور انتقام کے لئے وسائل کی دست یابی کو ابوجہل اور دوسرے مشرکین مکہ نے قومی معاملہ قرار دیا تھا، اس کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ وہ تجارتی قافلے تھے جو سال میں کم از کم دو مرتبہ موسم گرما اور سرما میں شمال اور جنوب کے دیار و ممالک میں جایا کرتے تھے قرآن میں ان کی طرف رحلۃ الشتاء والصیف کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔(۱۸) یہ تجارتی قافلے جس شاہ راہ پر جنوب عرب میں یمن سے شمال بہ راستہ حجاز شام و مصر بلکہ غزہ وانقرہ تک جاتے تھے اسے قرآن مجید میں ایک جگہ امام مبین (۱۹) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ تجارتی قافلے بے شمار ساز و سامان سے لدے پھندے نقد و جنس سے بھرپور شرکائے قافلہ کی بڑی تعداد، جانوروں مویشیوں محافظوں کے ساتھ قوم کے معاشی و تجارتی مفادات کے نگراں بن کر بڑی ذمے داری

سے آتے جاتے تھے اور قومی خوش حالی، فارغ البالی کا سبب بنتے تھے۔ اُس سال بھی ایک بڑا تجارتی قافلہ قریش مکہ نے جمادی الآخر ۲ھ (مارچ ۶۲۴ھ میں) ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس میں قریش کے تمام مردوں اور عورتوں نے اپنا سرمایہ لگایا تھا۔ (۲۰) تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاری اور اسلحہ کی خریداری بڑے پے مانے پر کی جائے۔ قریش کی یہ تجارتی سرگرمیاں بھی گویا جارحانہ مقاصد کی آئنہ دار تھیں۔ جن کا روکا جانا کا فرآنہ جارحانہ عزائم کی بیخ کنی کے لئے ضروری تھا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایک طرف سرایا کے ذریعے حدودِ مملکت مدینہ کی چوکسی ونگرانی، دشمنوں کی سرگرمیوں پر نظر، خفیہ اطلاعات کی فراہمی اور خطرہ کو بھانپ کر فوری کارروائی کا انتظام فرمایا تو دوسری طرف قریش کی معاشی ناکہ بندی، ان کے تجارتی قافلوں کی روک ٹوک، ان کی رسد، سپلائی لائن کا انقطاع بھی ضروری سمجھا تاکہ اعصابی نفسیاتی دباؤ، دشمن میں خوف اور ضعف پیدا کردے۔ اس غرض سے صحابہ کے گشتی دستوں (سرایا) کے ذریعہ قریشی قافلوں کو نشانہ بنایا گیا اور خود آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش قدمی فرمائی۔ چنانچہ تاریخی واقعاتی حقائق کے پیش نظر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ قریش مکہ سے پہلی باقاعدہ جنگ اور فیصلہ کن معرکہ رمضان ۲ھ میں جنگ بدر کی صورت میں پیش آنے سے پہلے چار سرایا (سریۂ حمزہ/ سیف البحر، سریہ عبیدہ بن الحارث/ رابغ، سریۂ سعد بن ابی وقاص/ الخرار اور سریۂ عبداللہ بن جحش/ نخلہ) اور چار غزوات (غزوہ الابواء، یا ودان، غزوۂ بواط، غزوۂ سفوان اور غزوۂ ذی العشیرہ) پیش آچکے تھے (۲۱) اور ان تمام سرایا اور غزوات کا اصل مقصد اور ہدف قریشی قافلۂ ہائے تجارت سے معارضہ ہی تھا۔ بلکہ خود جنگ بدر کے موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا مدینے سے روانگی کا ایک مقصد قریش مکہ کے قافلۂ تجارت کو گرفت میں لانا تھا۔ (۲۲) (یہ وہی بڑا قافلہ تھا جو جمادی الآخر ۲ھ میں ابو سفیان کی نگرانی میں مکہ سے شام کی طرف جاتے وقت تجارتی شاہ راہ کے قریب سے گزرا تھا، جسے روکنے کے لئے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ سو مہاجرین صحابہ کے ساتھ ینبوع کے قریب ذی العشیرہ کے مقام تک پیش قدمی فرمائی تھی مگر وہ ہاتھ نہیں آیا تھا اب وہی قافلہ کئی ماہ کی تجارتی سرگرمیوں کے بعد بہ کثرت مال ومنال اور منافع کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا۔ (۲۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متذکرہ بالا اقدامات انتہائی مؤثر ثابت ہوئے اور خاطر خواہ نتائج نے صورت حالات کو ریاست مدینہ کے حق میں استوار کردیا۔ یہ نتائج قابل ذکر ہیں:

الف: ریاست مدینہ (رقبہ کے لحاظ سے) مختصر ہونے کے باوجود، عرب کی وسعتوں میں قابل ذکر

قوت بن کر ابھری۔(۲۴) اس کے مسلح گشتی دستے بلاخوف وخطر چہار جانب تگ وتاز کرتے تھے اور کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھے۔

ب: عرب میں قریش کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، لوگ ان کا احترام بھی کرتے تھے اور ان کی قوت سے ڈرتے بھی تھے۔ ریاست مدینہ کا قیام واستحکام اور مہاجر قریشی صحابہ کے گشتی دستوں (سرایا) اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقتاً فوقتاً پیش قدمیوں (غزوات) کے سبب قریشی رعب ودبدبہ نہ صرف کہ بہت کم ہوگیا بلکہ قریش الٹا ڈرنے لگے (۲۵) اور یہ تو انہیں یقین تھا کہ مسلمان ان کے تجارتی قافلوں کو ہدف بنا کر ان کی معاشی شہ رگ کاٹ سکتے ہیں (اسی لئے جنگ بدر کے بعد وہ اپنے کاروائی راستے بدلنے پر مجبور ہوگئے)۔(۲۶)

ج: مدینہ کے قرب وجوار میں اور مکے کے راستے میں آباد قبائل (جہینہ، مزینہ، بنوضمرہ، بنومدلج وغیرہ) سے معاہدے کی وجہ سے قریش کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ ریاستِ مدینہ کے گرد گھیرا تنگ کرسکیں اور بہ زور قوت بدلہ لے سکیں۔

د: منشور/ دستور مدینہ کے تحت مدینے کی پوری آبادی کسی بھی حملہ آور کے مقابلے کے لئے جسم واحد کی طرح متحد اور جوابی کاروائی کے لئے برابر کی شریک تھی۔

ہ: مدینہ میں آباد غیر مسلم عناصر اور یہود اگرچہ بہ باطن ریاست مدینہ سے مخلص نہ تھے۔ مگر بہ ظاہر مخالفت وعداوت سے اظہار کی بھی جرأت نہ رکھتے تھے۔

(۶)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے جنگ جویانہ عزائم کا مقابلہ اور مخالفانہ سرگرمیوں کا دفعیہ کرنے کے لئے جو اقدامات فرمائے وہ آپ کی کلّی حکمت عملی کا ایک حصہ تھا سربراہِ مملکت مدینہ کی حیثیت سے ریاست کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال، باشندگانِ ریاست کی خبرگیری، اسلامی امّہ کے مفادات کا تحفظ، غیر مسلم عناصر، یہود اور دین وشریعت کے تدریجی تکمیلی مراحل کی نگہ داشت وغیرہ سب کام بہ یک وقت مسلسل توجہ اور عملی سرگرمی کے متقاضی تھے۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ اطلاعات اور خبر رسانی کا ایسا موثر اور متحرک نظام قائم کر رکھا تھا کہ دشمن عناصر کی طرف سے ریاست مدینہ کے خلاف ہونے والی منصوبہ بندی اور معمولی سی نقل وحرکت کی اطلاع جلد سے جلد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتاخیر کاروائی شروع کردیتے تھے اور فوری طور پر یا تو صحابہ کی جماعت کو روانہ فرمادیتے تھے یا نوعیت واہمیت کو دیکھتے ہوئے خود پیش قدمی فرماتے تھے۔ چناں

چہ عہدِ رسالت میں غزوات وسرایا کی ایک بڑی تعداد ہمیں اسی لئے نظر آتی ہے لیکن چوں کہ ہم اپنے مطالعے کو قریش مکہ سے تعلقات کے جائزے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں ہیں اس لئے تمام غزوات وسرایا اور دیگر دشمنانِ ریاست مدینہ سے تعرض ممکن نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک قریش مکہ سے (ہجرت مدینہ سے فتح مکہ تک کے اگلے) ۸ سالہ دور کا تعلق ہے تو ان سے مجموعی طور پر تعلقات کی نوعیت مخاصمانہ اور معاندانہ ہی رہی ہے۔ اس نوعیت کا تقاضا بدیہی طور پر قریش مکہ کے حوالے سے یہ تھا کہ انہوں نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں اور ریاست مدینہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انتہائی حکمت و فراست سے حالات کے زیر و بم پر نظر رکھی اور نہ صرف یہ کہ قریشِ مکہ کے جارحانہ اقدامات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ ان کی معاشی نا کہ بندی کا انتظام کر کے ان کی جنگی تیاریوں اور حوصلہ مندیوں کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اور کتنے ہی مواقع ایسے آئے جبکہ فریق مخالف (قریش مکہ) یا تو مدمقابل آنے کی جرأت ہی نہ کر سکا، یا تصادم اور ٹکراؤ کی صورت میں اسے بھاری نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم سے کم نقصانات اٹھا کر زیادہ سے زیادہ فوائد وثمرات حاصل ہوئے۔ اعداد وشمار کے اعتبار سے (ہجرت مدینہ تا فتح مکہ یعنی) ۸ سالوں میں تقریباً ۱۹ مواقع ایسے پیش آئے جب کہ پرچم توحید اور پرچم کفر وشرک مدمقابل آئے اور جب قریش مکہ کے لشکر اور اسلامی فوج کا آمنا سامنا ہوا۔ اس کی فہرست ذیل میں بہ طور جدول مرتب کی گئی ہے، عمومی طور اس سلسلے میں ابنِ ہشام ابن سعد اور بلاذری پیش نظر ہیں۔ (۲۷) ابنِ سعد کا بیان زیادہ صاف واضح اور دوٹوک ہے مشہور مستشرق واٹ نے بھی متفرق تفصیلات کو اپنی کتاب محمد ایٹ مدینہ کے ضمیمے بہ عنوان فہرست مہمات (Excursus B list of Expeidon and Dates) ص ۳۳۹ تا ۳۴۲ میں شامل کیا ہے۔ (۲۸)

نمبر شمار	نام سریہ/غزوہ مہم/منزل	زمانہ وقوع	دیگر تفصیل
۱۔	سریۂ حمزہ/سیف البحر	رمضان ۱ھ/ مارچ ۶۲۳ء	ابوجہل کی قیادت میں ۳۰۰ سواروں کا قریشی دستہ اور مسلمانوں کا ۳۰ سواروں کا دستہ مدمقابل ہوا۔ مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرایا۔ لڑائی نہیں ہوئی (۲۹)

۲۔ سریہ عبیدہ بن الحارث/ رابغ	شوال ۱ھ/ اپریل ۶۲۳ء	ابوسفیان بن حرب کے ۲۰۰ سواروں کا دستہ اور ۸۰/ ۶۰ سواروں کا اسلامی دستہ مد مقابل آیا لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اُس دن حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک تیر چلایا۔ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔ (۳۰)
۳۔ سریۂ سعد بن ابی وقاص / الخرار	ذی قعدہ ۱ھ/ مئی ۶۲۳ء	حضرت سعد بن ابی وقاص کی سر براہی میں ۲۰ مہاجرین پر مشتمل ایک گشتی دستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق مکہ جانے والے راستے پر الخرار تک دورہ کر کے آ گیا۔ کسی سے آمنا سامنا نہیں ہوا۔ نہ تصادم نہ نقصان۔
۴۔ غزوۃ الابواء/ غزوۂ ودّان (حیاتِ نبوی کا پہلا غزوہ) (۳۱)	صفر ۲ھ/ اگست ۶۲۳ء	آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ۶۰ مہاجر صحابہ پر مشتمل دستہ قافلۂ قریش کی تلاش میں بواط تک گیا جہاں بنو ضمرہ آباد تھے اور قریب سے ہی شام کی تجارتی شاہ راہ گزرتی تھی بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو نے بغیر جدال و قتال آپ سے صلح کر لی اور تحریری معاہدے میں یہ اقرار کیا کہ ریاست مدینہ کے کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔
۵۔ غزوۂ بواط	ربیع الاول ۲ھ/ ستمبر ۶۲۳ء	بواط مدینہ سے ۴۸ میل کے فاصلے پر جہینہ کا پہاڑی مقام جہاں سے شام کا تجارتی راستہ متصل تھا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۰ مہاجرین صحابہ کے ہم راہ امیہ بن خلف جمحی کی سرکردگی میں قریشی قافلہ سے معارضے کے لئے تشریف لے گئے ٹکراؤ نہ ہو سکا۔ (۳۲)
۶۔ غزوہ سفوان/ بطلب کرز بن جابر الفہری	ربیع الاول ۱ھ/ ستمبر ۶۲۳ء	مکہ عرب کے رئیس کرز بن جابر الفہری مدینے کی چراگاہ سے متصل موضع سرح پر حملہ آور ہو کر بہت سے مویشی لوٹ لے گیا آپ کو اطلاع ہوئی تو اس کی تلاش میں صحابہ کی جماعت لے کر نواح بدر میں وادیٔ صفوان تک تشریف لے گئے لیکن وہ ہاتھ نہ آیا اس لئے مدینے مراجعت فرمائی، قبیلہ اسلم اور غفار سے معاہدہ ہوا۔ (۳۳)

۷۔ غزوۂ ذی العشیرہ	جمادی الاثانی ۲ھ (کمی خریفی) مارچ ۶۲۴ء (۳۴)	اُس بڑے قافلۂ قریش کی ناکہ بندی کے لئے آپ تشریف لے گئے جو بہت مال و اسباب کے ساتھ شام جارہا تھا۔ قافلہ ہاتھ نہیں آیا آپ نے وہاں کچھ دن قیام فرمایا اور بنومدلج سے جو بنوضمرہ کے حلیف تھے معاہدہ صلح فرمایا۔ آپ کے لشکر میں ۱۵۰ مہاجر صحابہ شامل تھے۔ اسی ماہ مدینے واپس آ گئے۔
۸۔ سریۂ عبداللہ بن جحش/ نخلہ	رجب ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	۱۲/ ۹ مہاجر صحابہ پر حضرت عبداللہ بن جحش کو امیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوب مکہ میں نخلہ کی طرف (غزوہ بدر سے ۲ ماہ پہلے) اس ہدایت کے ساتھ روانہ فرمایا تھا کہ وہاں ٹھہر کر قریش کی سرگرمیوں کی اطلاع دیں۔ وہاں ایک قریشی قافلۂ تجارت سے ان کی جھڑپ ہوگئی جس میں قریش کا اہم آدمی عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان قیدی بنے (۳۵) بہ قول مولانا شبلی اس واقعے نے پورے قریش کو مشتعل کردیا اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہوگئی۔ معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعے سے وابستہ ہے (۱/ ۲۹۸)
۹۔ غزوہ بدر الکبریٰ/ العظمیٰ	رمضان ۲ھ/ جون ۶۲۴ء (۳۶)	ابوسفیان کی کمان میں بڑا قافلۂ تجارت (جو ذی العشیرہ میں نکل گیا تھا شام سے واپس) مکہ جارہا تھا۔ ساتھ عظیم اموال تجارت سامان ۳۰/ ۴۰ محافظوں کے ساتھ تھا، دوسری طرف رؤسائے مکہ کی قیادت میں کفار قریش کا لشکر عمرو الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے آرہا تھا۔ قافلہ تو بچ کر نکل گیا۔ بدر کے مقام پر لشکر اسلام و کفر کا فیصلہ کن معرکہ ہوا جس میں حق کو فتح حاصل ہوئی پرچم توحید بلند ہوا۔ کفار قریش کی کمر ٹوٹ گئی ۳۱۳ مجاہدین اسلام نے ۱۰۰۰ کفار ومشرکین کے لشکر کو شکست دی۔ کل ۱۴ مسلمانوں نے

		شہادت پائی ۷۰ کفار تہ تیغ ہوئے ۷۰ گرفتار۔ (۳۷/الف)
۱۰۔ غزوۂ سویق	ذی الحجہ ۲ھ/ جولائی ۶۲۴ء	ابوسفیان نے بدر کا بدلہ لینے کی قسم پوری کرنے کے لئے ۲۰۰ شتر سواروں کے ہم راہ رات کے وقت مدینہ کے ایک حصے عریض نامی میں ایک انصاری کے گھر پر حملہ کیا پھر اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۰۰ صحابہ کے ساتھ تعاقب کیا۔ کفار جلدی میں ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے تھے ہاتھ نہ آئے نہ لڑائی کی نوبت آئی۔
۱۱۔ سریۂ زید بن حارثہ/ قردہ	جمادی الثانی ۳ھ نومبر ۶۲۴ء	پہلا سریہ جس میں حضرت زید بن حارثہ کو امیر لشکر بنایا گیا قافلۂ قریش کے تعاقب میں ۱۰۰ مجاہدین کے ہم راہ اُس راستے پر گئے جو مسلمانوں کے خوف سے معمول کا راستہ چھوڑ کر نجد کے صحرا سے گزر رہا تھا۔ مڈبھیڑ میں دشمن مال چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صفوان بن امیہ وغیرہ خمس کا حصہ ۲۰ ہزار درہم ملا۔ قافلہ کا رہبر فرات بن حیان پکڑا گیا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ پھر وہ مسلمان ہوگیا۔ (۳۷/ب)
۱۲۔ غزوۂ احد	۷ شوال ۳ھ/ جون ۶۲۵ء (۳۸)	کوہِ احد کے دامن میں کفار و مشرکین مکہ کے ۳ ہزار کے لشکر سے ۷۰۰ مجاہدین اسلام ٹکرائے۔ گھمسان کی جنگ۔ سپہ سالار اعظم نے دشمن کی چار گنا بڑی افرادی قوت اور ہتھیاروں میں برتری کو غیر مؤثر بنادیا۔ البتہ جبل رماۃ پر ۵۰ تیر اندازوں کے متعین دستے کے مورچہ چھوڑنے سے مسلمانوں کو کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ کیونکہ خالد بن ولید کو احد کا چکر کاٹ کر عقب سے حملے کا موقع مل گیا تھا۔ پرچم اسلام لہراتا رہا۔ مشرکین مکہ نے راہِ فرار اختیار کی اور کہا ہمارا اور تمہارا مقابلہ اگلے سال بدر الصفراء پر ہوگا۔ (۳۹)
۱۳۔ غزوہ حمراء الاسد	شوال ۳ھ/ جون ۶۲۵ء	یہ غزوہ دراصل غزوۂ احد کا تکملہ تھا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان احد سے لشکر کفار کے غیر متوقع فرار پر خیال

		فرمایا کہ ممکن ہے وہ مدینے پر حملہ کے لئے پلٹ پڑیں۔ ان کے اس عزم وارادہ کی تصدیق بھی ہوگئی چنانچہ دوسرے دن صبح مجاہدین کی خستہ حال جماعت کے ساتھ لشکر قریش کے تعاقب میں ۱۳ کلومیٹر سے زیادہ سفر فرمایا اور حمراء الاسد پر تین روز تک قیام کر کے جب معلوم ہوا کہ قریش نواح مکہ میں پہنچ چکے ہیں تو مراجعت فرمائی۔ (۴۰)
۱۴۔ غزوۂ بدر الموعد (بدر ثالث)	ذی قعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء	غزوہ احد سے چلتے وقت ابو سفیان کے اعلان کے مطابق چیلنج قبول کرتے ہوئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت کردی کہ سامانِ تجارت ساتھ لے چلیں تاکہ بازار بدر میں شرکت کرسکیں ۱۵۰۰ صحابہ کی معیت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاندرات کو بدر الصفر اء پہنچ گئے صبح سے بازار لگ گیا۔ مسلمانوں نے جو سامان تجارت لے گئے تھے سو فیصدی نفع کمایا۔ ادھر ابو سفیان ۲ ہزار قریش کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا اور مر الظہر ان پہنچ کر واپس مکہ چلا گیا۔ (۴۱) آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہفتہ انتظار فرما کر مدینہ تشریف لے آئے، ملک عرب میں وعدے کے مطابق مقابلے کے لئے نہ پہنچنا ذلت اور رسوائی کی بات تھی جو قریش مکہ کے حصے میں آئی۔
۱۵۔ غزوہ خندق/غزوۃ الاحزاب	ذی قعدہ ۵ھ/ اپریل ۶۲۷ء	عرب کی تاریخ میں ریاست مدینہ پر قریش مکہ یہود وخیبر و مدینہ اور کفار مشرکین عرب کی عظیم الشان متحدہ فوج کا حملہ (جس کے مقابل رسول خدا کے زیر کمان ۳ ہزار مجاہدین تھے) کفار کا لشکر تین مستقل فوجوں میں منقسم تھا لیکن سپہ سالار کل ابوسفیان بن حرب تھا، ان کی کل تعداد ۱۰ ہزار سے ۲۴ ہزار تک تھی یعنی مدینے کی کل آبادی سے بھی کئی گنا بڑے لشکر کفار کو ۲۷ روزہ محاصرے کے بعد ناکام ونامراد لوٹنا

		پڑا اور ریاستِ مدینہ ایک ناقابلِ شکست قوت بن کر ابھری۔
۱۶۔ سریۂ زید بن الحارثہ/ العیص	جمادی الاول ۶ھ/ اکتوبر ۶۲۷ء	شام سے واپس آنے والے قریشی قافلۂ تجارت پر کامیاب چھاپہ۔ قافلہ میں داماد رسول ابوالعاص بن الربیع بھی شامل جو گرفتار ہوئے بہت کچھ مال و اسباب افراد ہاتھ آئے صفوان بن امیہ کی کثیر چاندی بھی۔ (۴۲)
۱۷۔ سریۂ عمرو بن امیہ الضمری وسلمہ بن اسلم بن حربس/ مکہ	ذی قعدہ ۶ھ/ فروری ۶۲۸ء	ایک اجرتی قاتل کے ذریعے ابوسفیان بن حرب کی قتل رسول کی کوشش (جب کہ آپ مسجد بنی عبد الاشہل میں تھے) مجرم خنجر سمیت پکڑا گیا۔ حضرت عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم کی مکہ روانگی۔ (۴۳)
۱۸۔ غزوۂ حدیبیہ/ مکہ مکرمہ	ذی قعدہ ۶ھ/ مارچ ۶۲۸ء	خالص عمرہ کی نیت سے اور اعلان کے ساتھ احرام میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۴۰۰ مسلمانوں کی معیت میں مکہ مکرمہ روانگی، قریش مکہ کی طرف سے مزاحمت نیز سفارتی سرگرمیوں کے دوران حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ پر بیعت رضوان کا انعقاد اور پھر قریش مکہ سے صلح نامہ۔ جس کے نتیجے میں بہ قول ایک ہم عصر مصنف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے مرکز پر امن سے حملہ کر کے قریش مکہ کو ایک اور شکست سے دو چار کر دیا۔ (۴۴) واپس سفر میں سورہ فتح کا نزول
۱۹۔ غزوۂ عام الفتح / مکہ مکرمہ	رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء (۴۵)	صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی میں قریش کی مدد کے ساتھ بنو بکر کا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ اور قتل و غارت گری۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جواب طلبی پر قریش کا صلح حدیبیہ توڑنے کا اعلان۔ قریش کو عہد شکنی کی سزا دینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش تیاریاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ/ ۶۳۰ء کو بعد نماز عصر ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے

۱۸/ ۱۷ رمضان کو عشاء کے وقت مرالظہران میں پڑاؤ۔ ابو سفیان۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کا قبول اسلام۔ ۲۰ رمضان کو لشکر اسلامی کی ترتیب قائم کی گئی میمنہ پر خالد بن ولید میسرہ پر زبیر بن العوام اور مقدمۃ الجیش پر ابو عبیدہ بن الجراح کی کمان میں مختلف اطراف سے مکہ مکرمہ میں داخلہ۔ کسی جگہ کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔ البتہ الخندمہ میں قریش کی ایک جماعت سے حضرت خالد بن ولید کی مڈبھیڑ۔ قریش کے ۲۴ اور ہذیل کے ۴ آدمی کام آئے تین مسلمان شہید ہوئے۔ بالآخر اسی دن مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ آپ نے خانہ کعبہ پہنچ کر طواف کیا۔ کعبہ میں داخل ہوئے، اسے بتوں، تصویروں، نقش و نگار سے پاک صاف کیا، اسے پھر سے مرکز توحید بنایا، پھر خطبۂ فتح ارشاد فرمایا اور فراخ دلی سے تمام قریش کو معافی عطا فرمائی۔ قریش کی مخالفت وعداوت انجام پذیر ہوئی ان میں سے بیشتر ایمان لے آئے۔

(۷)

مندرجہ بالا جدول سے نہ صرف یہ کہ بہ یک وقت ان تمام مواقع کی نشان دہی ہو جاتی ہے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاست مدینہ اور قریش مکہ کے مابین (۸ سالہ) تعلقات کی فروغ سازی میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ علاوہ ازیں فہرست بالا سے اگرچہ بعض حقائق کا ادراک بہ آسانی ہو جاتا ہے تاہم بعض ایسے امور کی توضیح وتشریح ضروری معلوم ہوتی ہے جو ان مواقع سے متعلق ہیں مثلاً:

ا۔ تمام سرایا اور غزوات کے مواقع میں اکثر وبیشتر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ فریقین میں کوئی ملاقات، تصادم، مقابلہ، یا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اتفاقاً یا ارادتاً ٹکراؤ، مقابلہ، مجادلہ، مقاتلہ کل سات سرایا میں سے محض تین سرایا میں یعنی ۸، ۱۱ اور ۱۶ میں جب کہ کل ۱۲ غزوات میں سے صرف ۴ غزوات میں یعنی ۹، ۱۲، ۱۵ اور ۱۹ میں ہوا۔ گویا ۱۹ مواقع میں سے صرف ۷ میں باقاعدہ مقابلہ یا محض معمولی جھڑپ کو ہی شمار کیا گیا ہے۔

۲۔ سرایا (صحابہ کرام کی مہمات) میں شریک حضرات کی تعداد ۲ سے لے کر ۱۰۰ تک بالترتیب سریہ عمرو بن امیہ الضمریؓ اور سریہ زید بن حارثہ یعنی فریق مخالف کفار قریش کے مقابلہ میں ہمیشہ ہی کم رہی۔ اس کی ایک بڑی وجہ نوعیت سرایا میں مضمر ہے۔ بنیادی طور پر سرایا کی مہمات فوجی، عسکری نوعیت کی نہیں تھیں بلکہ ان کا اصل مقصد و مدعا (جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے) سیاسی، معاشرتی مفاہمت و مصالحت کا حصول تھا یا محض مخصوص علاقے کی نگرانی، چوکسی، چوکیداری، معائنہ کاری، طلایہ گردی اور مخصوص معلومات واطلاعات کی دستیابی تھا البتہ کسی غیر معمولی صورت حال بہ وقت ضرورت ان جماعتوں، دستوں، مہمات میں یہ استعداد وصلاحیت بہر حال موجود ہوتی تھی کہ حسبِ موقع عملی کاروائی کر کے فریق مخالف کی جارحیت کا مناسب جواب دے سکیں۔ یہ امر بہرحال واضح تھا کہ ان میں شامل صحابہ کی جماعت نہ فریق مخالف کی زیادہ تعداد (کمیت) سے مرعوب ہوسکتی تھی اور نہ اُن کے اسلحے ساز وسامان یا شان وشکوہ (کیفیت) سے متاثر ہوسکتی تھی۔ ایک اللہ پر یقین کے سبب ان کا ہر فرد جوش جہاد، بہادری، بے خوفی سے معمور اور ایک رسول مکرم ومحتشم کے حکم کی پرخلوص تابع داری میں کوہِ گراں سے ٹکرا جانے کا عزم رکھتا تھا یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ چوں کہ کاروائی قریش کے راستے معین اور آمد ورفت کے اوقات موسم، نیز کاروان/ قافلہ کے عناصر ترکیبی قائد نگراں، رہبر، اشیا تجارت، درآمد برآمد، محافظ، مال مویشی وغیرہ متعین ہوتے تھے اس لئے مورخین جہاں جہاں مہم کا مقصد مثلاً کاروان قریش سے تعرض بتاتے ہیں بعض اوقات ان میں ایسا واقعتاً پیش نہیں آتا کیونکہ ان میں لوازم کاروان موجود نہیں ہوتے۔ مثلاً صحابہ کی پہلی مہم سریۂ حمزہؓ میں قریشی سردار ابوجہل کی قیادت میں ۳۰۰ سواروں کا جو دستہ اتفاقاً مسلمانوں کے محض ۳۰ سواروں کے مدمقابل آیا تھا، اس کا باہمی ٹکراؤ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کیونکہ یہ ساحلی علاقہ سیف البحر مدینے سے ۳۰ میل دور قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا۔ جن کا ایک وفد مدینہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دوسرے کے علاقے سے گزرنے/ ناطرف داری کا معاہدہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس لئے جہنی سردار مجدی بن عمرو نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرادیا قریش مکہ سے بھی اس کے پرانے تعلقات تھے، نیز قبیلہ جہینہ مدینے کے قبیلہ خزرج کا قدیم حلیف تھا جب کہ اسی نواح کا ایک اور قبیلہ مزینہ قبیلہ اوس کا پرانا حلیف تھا۔ جب کہ مدینے میں اسلام اور آمد رسول کی برکت سے اوس اور خزرج باہم شیر وشکر ہو چکے تھے لہٰذا جہینہ اور مزینہ کے رشتہ حلف اور دوستی کے حوالہ سے نوزائیدہ اسلامی ریاست سے خیرسگالی وقت کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ۳۰ مہاجر صحابہ کے وفد کے ارکان سریے کی صورت میں رشتہ دوستی موکد کرنے کی غرض سے اُس جگہ میں آمد قابل فہم کیوں نہیں سمجھی جاسکتی۔ (۴۶) یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ابوجہل کسی کاروانِ تجارت

کے ساتھ نہیں سواروں کے ساتھ تھا۔ کارواں کا مخصوص موسم، اور دیگر لوازم و عناصر بھی موجود نہیں تھے۔ اس لئے گویا وہ اُن سرحدی قبائل سے مدد و اعانت حاصل کرنے، اپنی دوستی پکی کرنے، مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے آیا تھا۔ یہ گویا سرایا کے مقابلے میں قریشِ مکہ کا جوابی اقدام تھا۔

کم وبیش یہ صورت حال محض ایک ماہ کے فصل سے سریۂ عبیدہ بن حارثؓ کی دوسری مہم میں دیکھی جاسکتی ہے جس کی منزل رابغ (قدید جانے والے راستے پر جہینہ سے دس میل کی مسافت پر) تھی۔ حضرت عبیدہ کے ساتھ روایات کے مطابق ۶۰ یا ۸۰ سوار تھے۔ ان کا آمنا سامنا ابوسفیان بن حرب کی کمان میں ۲۰۰ سواروں کے دستے سے ہوا۔ لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اُس دن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک تیر بھی چلایا جو (لشکر) اسلام کی طرف سے چلایا جانے ولا پہلا تیر تھا جو قریش کے خلاف چلایا گیا۔ پھر فریقین اپنے اپنے راستے پر ہولئے۔ (یہاں قابل ذکر یہ بات کہ) حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیان کے مطابق انہوں نے حضرت عبیدہؓ سے کہا کہ قریش مرعوب ہوگئے ہیں، اگر ہم ان کا تعاقب کریں تو ان کو بہ آسانی جا پکڑیں گے۔ (وادیٔ رابغ جحفہ اور ابواء/ ودان کے درمیان واقع تھی اور وہاں سے حاجیوں کا راستہ گزرتا تھا/تجارتی قافلوں کا نہیں۔ اور یہ پورا علاقہ قبائل خزاعہ اور ان کے حلیف بنوضمرہ کا تھا۔ خزاعہ سے خاندانِ رسول کے قدیم حلیفانہ تعلقات تھے۔ جبکہ بنوضمرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر حلیفانہ معاہدہ فرمایا۔ یہ دونوں مغربی قبیلے نہ صرف ریاست مدینہ کے زیرِ اثر تھے بلکہ اُن کے انصار سے قریبی تعلقات اسلام سے پہلے سے تھے۔ اس اعتبار سے مہاجر مسلمانوں کا چند درجن افراد پر مشتمل یہ دستہ کاروان قریش پر حملے کے علاوہ اُس علاقے سے دوستی، تعلقات کی استواری، قریش کے مقابل ناطرف داری پر آمادہ کرنے کا قرینہ بھی رکھتا تھا۔ (۴۷) ممکن ہے دوسری طرف ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا دستہ اُن قبائل کو ڈرانے، دھمکانے، رعب جمانے، کچھ سمجھانے بجھانے یا اپنے اثر و رسوخ استعمال کرنے کے لئے اس علاقے کا دورہ کرنا ضروری سمجھتا ہو۔ کیونکہ نہ وہ سالانہ کاروانِ قریش کی آمد و رفت کا زمانہ تھا نہ اشیائے تجارت اور دیگر لوازم سے آراستہ تھا اور بہر حال یہ ممکن نہ تھا کہ ہر ماہ قافلہ تجارت کو منظم کیا جاسکے (کاروانِ تجارت کی اصل روایت تو سالانہ ایک تھی)۔ بہر حال مخصوص تاریخی احوال وظروف کے پیشِ نظر، ہر سریہ (مہم صحابہ) یا غزوہ (مہم رسول) کا لازماً مقصد قریش پر حملہ یا تجارتی قافلہ کی لوٹ مار، قرار دینا امر واقعہ کے خلاف متصور ہوگا۔ اسی طرح ہر سریۓ/غزوے کو لازماً اظہارِ دوستی، یا بہر صورت مقابلے سے پہلو تہی قرار دینا بھی مناسب نہ سمجھا جائے گا۔ بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب کے بہ قول ایک نوزائیدہ مملکت دو ماہ میں تین بار قافلوں کو لوٹنے کے ناکام سفر اختیار نہیں کر سکتی۔ (۴۷/ الف)

اہلِ ایمان اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نگرانی تمام سرگرمیاں اور دوسری جانب قریش مکہ کی طرف سے مسلسل کوششیں بہر حال یہ ثابت کرتی ہیں کہ دونوں فریق ہر طرح سے چوکنا، مستعد، ہوش یار تھے۔ فرق یہ تھا کہ قریش مکہ یعنی ایک فریق اپنے پرانے جاہلی نظام کے علم بردار، اپنی مکارانہ شاطرانہ چالوں کے ساتھ، بغض وعناد، فخر وغرور، کفر وشرک کی تمام قوتوں کو مجتمع کر رہا تھا کہ آبائی دین وملت کا بول بالا ہو اور استیصالِ دینِ حق کی آرزو پوری ہو جبکہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پرچم توحید کے علم بردار، کفر و شرک کے استیصال اور غلبۂ دین حق کے لئے اہل ایمان جانثاروں کے ساتھ امن و عافیت کی راہ سے انقلاب اسلامی کے متمنی تھے۔

ایک اور اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابتدائی سرایا کی اکثر و بیشتر مہمات میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سفید پرچم عطا کیا گیا جو پوری دنیا میں ہمیشہ سے امن وامان، صلح وآشتی کی علامت اور حالت جنگ میں بھی عدم جارحیت اور حفاظت کل کا پیغام ہے۔ امن وامان، صلح وآشتی اسلام کے معنی اس کا فلسفہ اور پیغام ہی نہیں اس پر مبنی ریاست وسیاست کا مقصد ومدعا، اصل ترجیح اور بنیادی پالیسی کا حصہ یہی تھا۔ اس لئے مصلح اعظم داعیِ امن صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سرایا کے قائدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو سفید پرچم کے ساتھ روانہ کیا گیا تاکہ اس وقت حالت جنگ میں بھی امن عام اور صلح کل کا پیغام عام کیا جائے۔

۳۔ سرایا کے علاوہ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نمایاں امتیازت میں صلح وآشتی، امن وامان کو اولین ترجیح حاصل رہی اور جدال وقتال خوں ریزی سے حتیٰ الامکان اجتناب اصل الاصول قرار پایا۔ چنانچہ قریش مکہ کے حوالے سے کل بارہ غزوات میں سے آٹھ غزوات میں کوئی مقابلہ، مجادلہ، مقاتلہ بلکہ ٹکراؤ تک نہیں ہوا (یعنی فہرست مندرجہ الصدر کے مطابق / غزوۂ الابواء/ ودان، غزوۂ بواط، غزوۂ سفوان/ بہ طلب کرز بن جابر الفہر ی، غزوۂ ذی العشیر ہ، غزوۂ سویق، غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر الموعد/ بدر ثالث میں) جب کہ ایک نویں غزوہ (بہ ترتیب فہرست آخری ۱۹ یعنی) غزوہ عام الفتح / مکہ کی مجموعی پوری کاروائی اگرچہ امن و مان صلح وآشتی کے ساتھ مکمل ہوئی (یعنی نہ روایتی جنگ ہوئی، نہ خون خرابہ نہ انفرادی اجتماعی آبروریزی، تلف املاک، آتش زنی، اور غصب عہدہ، جاہ ومال کا کوئی واقعہ پیش آیا، جن کا وقوع دنیا بھر کی جنگوں میں عام ہے تاہم جزوی طور پر اسلامی فوج کے ایک ذیلی دستے کی راہ میں الخندمہ میں حمیۃ الجاہلیہ کی پیدا کردہ ایک جماعت کی مزاحمت کو دور کرنے کے لئے ایک ناگزیر فوجی کاروائی کے نتیجے میں چند ہلاکتیں پیش آئیں جو نہ کسی مرکزی لشکر کا مرکزی مقابلہ تھا نہ نمائندہ جنگی کاروائی۔

(۸)

علی الاعلان جنگ مقابلے، مجادلے اور مقاتلے کی نوبت بقیہ صرف تین غزوات (غزوۂ بدر الکبری/ بدر العظمٰی، غزوۂ احد اور غزوہ احزاب/ خندق) میں پیش آئی۔ یہ شمار بھی عمومی ہے۔ قریش مکہ سے براہِ راست جنگ اور مقابلے جنگ بدر اور جنگ احد ہی میں ہوئے جب کہ بلاذری (۴۸) اور ابن سعد (۴۹) کی تصریحات کے مطابق خالص یہود (بنی نضیر) کی تحریک ترغیب پر غزوہ احزاب/ خندق میں تمام کفار و مشرکین عرب کی متحدہ افواج نے سپہ سالار کل ابوسفیان مکی قریشی کی قیادتِ اعلیٰ میں بہ غرضِ استیصال ریاست مدینہ کا طویل لیکن ناکام محاصرہ ضرور کیا تھا لیکن اسلامی فوج کے مدمقابل صرف قریش مکہ نہ تھے (کفار مشرکین یہود وغیرہ دیگر اعدائے اسلام تھے)۔ غزوۂ احزاب کی پیغمبرانہ حکمت عملی اور خندق کی موجودگی نے نہ صرف یہ کہ تمام دشمنانانِ اسلام کو ناکام و نامراد حواس باختہ کر دیا بلکہ خصوصاً قریش مکہ کے حوصلوں کی گرد اس حد تک بٹھادی کہ جس کے بعد قریش مکہ پھر کبھی ریاست مدینہ کے خلاف اقدام کی جرأت نہ کر سکے۔ اور ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو گئے۔ جس کی پیش گوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی دن (یوم الاحزاب) جب کہ کفار و مشرکین کے ناکام و نامراد لشکر میدان خالی کر کے جا چکے تھے یہ فرمادیا تھا نغزوھم ولا یغزوننا (۵۰) (اب ہم قریش پر چڑھائی کیا کریں گے اور وہ اس قابل نہ ہوں گے کہ ہم پر چڑھائی کر سکیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین آفرین قولِ مبارک یہ بھی تھا کہ الآن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم (۵۱) (آج کے بعد ہم ہی ان پر پیش قدمی کریں گے، لیکن ان کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ ہم پر حملہ آور ہو سکیں بلکہ ہم ہی حملے کے لئے ان کی طرف جائیں گے)۔ اصل حقائق کا صحیح تجزیہ اور آئندہ احوال کا یہ اتنا درست اندازہ تھا جسے بعد کی متصل تاریخ نے حرف بہ حرف سچ ثابت کر دکھایا۔

بہر حال قریش مکہ سے براہِ راست معرکہ آرائی چاہے صرف دو معرکوں جنگ بدر و احد کی مانی جائے یا جنگ احزاب سمیت تین مواقع کی۔ یہ بہرصورت واضح ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریشِ مکہ کے مابین جنگ وخوں ریزی کا تناسب (۱۹÷۲ یا ۱۹:۳) یعنی بالترتیب ۵۲ء۱۰ فیصد اور ۸۷ء۱۵ فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔ جو امن و امان اور صلح و آشتی کے غلبے کا صاف مظہر ہے۔

قریش مکہ سے معرکہ آرائی کے دو براہِ راست مواقع جنگ بدر و جنگ احد کو بھی امکانِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنی اصل وحقیقت میں تو صرف ایک ہی جنگ (جنگ بدر۔ الفرقان) واقع ہوئی۔

یہی اصل ٹکراؤ، مقابلہ، مقاتلہ اور تیروں، تلواروں، نیزوں، بھالوں، تیغوں، ڈھالوں سے لڑی جانے والی زوردار، فیصلہ کن لڑائی تھی جب کہ جنگ احد کی صورت میں دوسرا ٹکراؤ، پہلے کی متابعت میں ہوا، اور پھر اگلی صبح میدان احد سے راہِ فرار اختیار کرنے والے لشکر قریش کے تعاقب میں حمراء الاسد تک روانگی و مراجعت کا واقعہ تقاضائے حکمت وفراستِ نبوی تھا۔

(۹)

مختصر یہ کہ کشمکش کفر واسلام میں عموماً اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے باب میں خصوصاً غزوۂ بدر کو اصل فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن جو اسلام، سیرت نبوی اور تاریخ عہد نبوی کا مستند ترین مآخذ ہے، اس کے الفاظ، مفہوم اور اندازِ بیان میں جنگ بدر کو یہی فیصلہ کن حیثیت دی گئی ہے۔ اور اُس دن کو، اُس دن لشکرِ کفر واسلام کے مابین ٹکراؤ کو یوم الفرقان یوم التقی الجمعان (۵۲) (فیصلے کا دن، جس دن کفر واسلام کی دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائیں مقابل ہوئیں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بہ ظاہر اس معمولی جنگ کے عظیم الشان اخلاقی، روحانی، نظریاتی نتائج، اثرات، ثمرات، مقاصد و مصالح کو واضح کیا گیا ہے:

الف: وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ O (۵۳) اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے حکم ومنشا سے سچ (اسلام) کو سچ کر دکھائے اور تمام کافروں کی جڑ کاٹ دے اس جنگ کا مقصد و مدعا اللہ کے نزدیک بھی یہی تھا کہ حق کا بول بالا ہو کر رہے بہ قول ابن الجوزی: فی المراد بالحق قولان: احدھما انہ الاسلام والثانی انہ القرآن (۵۴) اور اس کے بالمقابل باطل یعنی کفر وشرک کی جڑ کٹ جائے۔ ان الفاظ کی سنگینی ان کی تباہی بربادی اور ہلاکت کی دلیل ہے۔ اور زوال وخاتمے کی پیشین گوئی۔ جڑ کٹنے کے بعد کوئی درخت برگ وبار لانے کے قابل نہیں رہتا نہ زیادہ دیر پنپ سکتا ہے۔

ب: لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ O (۵۵) (تا کہ حق (اسلام) کا حق ہونا اور باطل (کفر/شرک) کا باطل ہونا صریحاً ثابت ہو جائے۔ اگر چہ ان مجرموں کے نزدیک یہ کتنا ہی برا اور ناپسندیدہ ہو)۔ اس جنگ بدر کی صورت میں احقاق حق اور ابطال باطل کا برسرِ عام اعلان ہو گیا کہ کسی کو دعوتِ نبوی، کلمہ حق اور اسلام کی سربلندی وسرفرازی میں شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اور سارے عرب میں باطل، کفر وشرک اور بت پرستی کے نمائندہ قوت قریش کے زوال واضمحلال کا منظر سب کے سامنے عیاں ہو جائے کہ دوسرے عبرت پکڑیں۔

ج: لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (۵۶) (جو کچھ پیش آیا وہ اس لئے تھا کہ جو فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تا کہ جسے ہلاک و برباد ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک و برباد ہو اور جسے زندہ (و پائندہ) رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ و پائندہ رہے کہ سب جان لیں اور کسی کو شک وشبہ نہ رہے)۔

جنگ بدر الکبریٰ اس لحاظ سے بھی فیصلہ کن حیثیت سے معیار حق و باطل کی علامت ثابت ہوئی کہ کفار قریش آغاز دعوتِ نبوی/ آغاز اسلام/ ۱۳، ۱۴ سال سے مخالفت و عداوت کا جو مظاہرہ کر رہے تھے اور اپنی تمام توانائیاں جنہوں نے اللہ رسول کی دشمنی میں لگادی تھیں اس کا انجام (بہ طورِ سزا) سامنے آ گیا۔ (۵۷) علاوہ ازیں وہ اپنے تئیں دین آبا کی پیروی کو برسرحق سمجھتے تھے اور اس زعم باطل میں انہوں نے جنگ بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت خانہ کعبہ کے پردے پکڑ کر یہ دعا مانگی تھی کہ خدایا مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے دونوں گروہوں میں سے جو (واقعی) حق پر ہے اور بہتر ہے اسے جنگ میں فتح و نصرت عطا فرما۔ (۵۸) بلکہ عین بدر کی رات ابوجہل نے خود بھی یہ دعا مانگی تھی کہ بارالٰہ ہم میں سے جو قطع رحم کرنے والا ہے اور اجنبی دعوت لانے والا ہے صبح اسے تباہ و برباد کردے۔ (۵۹) چنانچہ کفار و مشرکین مکہ کی یہ دعا اور فرعونِ امت ابوجہل کی یہ تمنا بہ ایں معنیٰ قبول ہوئی کہ اللہ ورسول کے ماننے والے اہلِ ایمان کو فتح و نصرتِ خداوندی حاصل ہوئی جو حق اسلام پر تھے اور برسرِ باطل کفار و مشرکین کو کفر انکارِ اسلام اور اللہ ورسول کی مخالفت و عداوت کا بھیانک انجام، شکست، ہلاکت و بربادی کی صورت میں دیکھنا پڑا۔ جب کہ اخروی زندگی میں اس سے زیادہ عذاب کا مزا بھی چکھنا پڑے گا۔ (۶۰) اس لئے فرمایا گیا: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۶۱) (ان کافروں سے کہہ دیجئے اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آ گیا۔ اب باز آ جاؤ کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ اور ہاں اگر تم پلٹ کر اسی حماقت اور بغض و عداوت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا، شکست و بربادی، سے دوچار کرنے کا اعادہ کریں گے اور تمہارا لشکر خواہ تعداد میں کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوں تمہارے کچھ کام نہ آسکے گا)۔ جس طرح اگلے موقع پر جنگ احد میں تین گنی فوج بھی کام نہ آسکی۔ اس سے واضح ہے کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے)۔

جنگ بدر کے سلسلے میں قرآنی تعارفی الفاظ یوم الفرقان، یوم التقی الجمعان (الانفال ۴۱) سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ دن (یوم الفرقان) دو گروہوں کے ٹکرانے کے سبب ہوا، اگر اسلام اور کفر کے علم بردار دونوں گروہ آپس میں اُس دن نہ ٹکراتے تو وہ یوم الفرقان نہ بن پاتا دونوں کے نظریاتی اور جسمانی ٹکراؤ

نے ہی فرقان/ امتیازِ حق و باطل پیدا کیا، اس ٹکراؤ نے ہی فیصلہ کیا کہ کون سا فریق تابِ مقاومت زیادہ رکھتا ہے اور جینے، زندہ، قائم و دائم رہنے کا حق رکھتا ہے (یحیی من حی عن بینة) اور کون سا فریق اتنا بودا، کم زور اور ناپائے دار ہے جسے ختم ہی ہو جانا چاہئے (ھلك عن بینة) اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ اگر مہاجر و انصار مسلمانوں کے مدنی لشکر کا ابوسفیان کی کمان میں تجارتی قافلے کے بہ جائے کفار و مشرکین مکہ کے لشکر سے ٹکراؤ نہ ہوتا تو حکمت و تدبیر الٰہی کا نتیجہ فرقان کی صورت میں برآمد نہ ہوتا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے اُس روز بساطِ بدر کے تین کناروں پر بہ یک وقت (تینوں فریق) جاں نثارانِ نبوی، لشکر کفار و مشرکین مکہ اور تجارتی قافلۂ قریش موجود تھے اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (۶۳) لیکن ٹکراؤ کے لئے اللہ نے افواجِ اسلامی اور لشکر قریشِ مکہ کے درمیان ہی انتخاب مقدر فرمایا۔ قدیم و جدید مصنفین میں سے جنہوں نے نقشوں کا اہتمام کیا ہے ان کے ہاں موقع و محل اور جغرافیائی صورت حال کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (۶۴) لہٰذا یہ مفروضہ درست نہیں ہو سکتا کہ آپ تک قافلۂ ابوسفیان کی نقل و حرکت کی درست اطلاعات نہ پہنچ سکی تھیں جب کہ وحی الٰہی کی دست گیری جناب کو حاصل تھی، نیز یہ کہ قافلے کی واپسی کے بارے میں خبریں معلوم کرنے کے لئے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن زید کو بہت پہلے ہی روانہ فرما چکے تھے۔ (۶۵) یہ بھی ممکن نہ ہو سکتا تھا کہ قافلۂ ابوسفیان کے نکل جانے اور ہاتھ نہ آنے کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیش قدمی روک لیتے یا مدینے واپس ہو جاتے؟ یا مکے سے آنے والے لشکرِ قریش کے مدمقابل آنے سے احتراز فرما جاتے؟ یہ سب کچھ اس لئے ممکن نہ تھا کہ اللہ کے ارادے، منصوبے و تدبر الٰہی میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ کفر کی جڑ کاٹ دی جائے جس کی ایک صورت یہی تھی کہ مشرکینِ مکہ کے سرغنوں کا صفایا کر دیا جائے۔ قائد و رؤسا کا خاتمہ، دشمنانِ اسلام کا قلع قمع، اور سرداروں سربرآوردہ لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ اور قولِ نبوی کے مطابق بغض و انتقام کے جوش نے مکہ کے جن جگر پاروں کو میدانِ بدر میں لا پھینکا ہے۔ (۶۶) انہیں اسی جنگ کی بھینٹ چڑھا دیا جائے یعنی کافرانہ معاشرے کی پوری بالائی (Cream of the nation) ایک ساتھ اتار کر پھینک دی جائے۔ مشیت ایزدی بہر حال باطل پر حق کا غلبہ چاہتی تھی اور حق تعالیٰ نے اپنے رسولِ برحق سے فتح مندی اور نصرت بالملائکہ (۶۷) کا جو وعدہ (۶۸) کیا تھا اسے درجۂ کمال میں مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو کافروں مشرکوں کے ٹڈی دَل لشکر سے ٹکرانے کے بعد ہی پورا کر کے دکھانا چاہتا تھا۔

(۱۰)

مختصر یہ کہ حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ اسلامی فوج کے سامنے اگر چہ مدینے سے نکلتے وقت ٹکراؤ کے دو امکانات قافلۂ ابوسفیان سے تعرض اور لشکر کفار مکہ سے نبرد آزمائی موجود تھے تاہم پیش قدمی میں لحہ بہ لحہ یہ واضح ہوتا جارہا تھا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان میں ان کی روانگی بالفصل تیز رفتاری سے آنے والے لشکرِ کفار مکہ سے جنگ کے لئے تھی۔(۶۹) اور ان سے براہِ راست ٹکر لئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ کفار و مشرکین مکہ کا لشکر، قرآن کے بیان کے مطابق فخر و غرور سے سرشار، بڑی تعداد اور بہت کچھ تیاریوں کے ساتھ بڑا اتراتا ہوا نکلا تھا۔(۷۰) یہ بھی صحیح ہے کہ ان کا لشکر اصلاً قافلۂ ابوسفیان کو بچانے کی غرض سے نکلا تھا جس سے تمام اہالیانِ مکہ کی غرض و منفعت وابستہ تھی لیکن اثنائے راہ میں ہی یہ حتمی اطلاع مل چکی تھی کہ مذکورہ قافلہ متوقع خطرات سے بچ کر محفوظ راستے پر آ گیا ہے اور لشکر کے لئے مزید پیش قدمی کی حاجت نہیں رہی۔(۷۱) چنانچہ لشکر میں شامل بنو زہرہ اور بنو عدی کے قبائل اور طالب بن ابی طالب وغیرہ منزل جحفہ (۷۲) پر ہی ساتھ چھوڑ کر مکہ واپس چلے گئے تھے۔ بلکہ خود میدان بدر میں خیمہ زن ہونے کے بعد بھی جنگ کی نامعقولیت کا احساس کر کے بعض ہم دردِ قوم اس کوشش میں لگے رہے کہ جنگ ٹل جائے۔ چنانچہ مثلاً حکیم بن حزام نے قریش کے سپہ سالارِ لشکر عتبہ کو عمرو بن الحضرمی کی دیت دینے پر راضی کرلیا تھا کہ جنگ کی اصل وجہ ختم ہو جائے (۷۳) اور خود عتبہ نے لشکر کے سامنے تقریر کر کے عام لوگوں کو اس بات پر قائل کرلیا تھا کہ محمد اور ان کے اصحاب سے جنگ اپنے ہی چچا ماموں بھتیجوں سے جنگ کے سوا کیا ہے اس لئے چلو لوٹ چلو اپنے ہی کنبے والوں کے خلاف کیا لڑنا (**فارجعوا وخلوا بین محمد و بین سائر العرب فان اصابوہ فذاك الذی اردتم وان کان غیر ذالك الفاکم ولم تعرضوا منہ ما تریدون** (۷۴) عتبہ اُس دن افواجِ قریش کا سپہ سالار تھا، اس نے قوم کے حق میں بھلائی چاہی، اُس دن وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اُس کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ صرف اِسی میں ہی بھلائی ہے اگر قوم نے اس سرخ اونٹ والے کی بات مان لی تو صحیح راستہ پالیں گے (**ان یکن فی احد من القوم خیر فعند صاحب الجمل الاحمر، ان یطیعوہ یرشدوا** (۷۵) اس موقع پر ابوجہل کی ضد ہٹ دھرمی اور انا پرستی پھر آڑے آ گئی۔ اس نے نہ صرف یہ کہ عتبہ کی بات ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ خدا کی قسم ہم یہاں سے لوٹ کر ہرگز نہ جائیں گے یہاں تک کہ تلوار ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی فیصلہ کردے۔(۷۶) اس کے بعد اس نے عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر کو یہ کہہ کر مشتعل

کر دیا کہ تمہارا حلیف تمہارے بھائی کے خون کا سودا کر کے (تمام لوگوں سمیت) لوٹ جانا چاہتا ہے۔ (۷۷) اس پر وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر چلانے اور دہائی دینے لگا واعمراہ واعمراہ بس پھر کیا تھا جنگ کی آگ بھڑک اٹھی (۷۸) اس لئے یہ بات طے ہے کہ جنگ بدر ابوجہل کی ہٹ دھرمی کا ہی شاخسانہ تھی۔ ابوسفیان نے خود بھی جنگ بدر کا ذمے دار ابوجہل کو ہی ٹھہرایا تھا۔ واقوماہ! ھذا عمل عمرو بن ھشام یعنی ابا جھلِ بن ھشام (۷۹) (ہائے میری قوم! افسوس! جنگ بدر یہ سب اُسی کا کیا دھرا ہے!)

ابوجہل خدا اور رسول کا شدید ترین دشمن۔ جس میں غرور ونخوت کے علاوہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نفرت وعداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قریش فوج کو آپ کے خلاف اپنی انا کی تسکین کے لئے ہی چڑھا کر لایا تھا۔ وہ ایک کائیاں شخص بھی تھا، میدانِ جنگ کے حالات اس کے سامنے تھے وہ یقین کی حد تک یہ توقع رکھتا تھا کہ جنگ کا نتیجہ اُس کے اپنے حق میں نکلے گا یعنی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست اور مسلمانوں کا صفایا! جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نے عمیر بن وھب الجمحی سے کہا کہ مسلمانوں کی طرف ذرا چکر لگا کر تو دیکھ کہ وہ تعداد میں کتنے ہیں؟ اور تیاریاں کیسی ہیں؟ اس نے چکر لگا کر بتایا کہ اسلامی لشکر تین سو کے لگ بھگ لوگوں پر مشتمل ہے کل دو (یا تین) گھوڑے ہیں صرف ۶۰ کے پاس زرہیں ہیں اور کل ۷۰ اونٹ سواری کے ہیں مزید سپاہ نہ کمین گاہ میں ہے نہ آگے پیچھے۔ البتہ یہ معنی خیز تبصرہ کیا:

> مگر قریشیو! البلایا تحمل المنایا میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں جن پر موت سوار ہیں اور پھر کہا یثرب کے اونٹ اپنے اوپر یقینی موت اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جس کے پاس کوئی بچاؤ کا سامان نہیں اور ان کی تلواروں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ گونگے بہرے بنے ہوئے خاموش ہیں کوئی بات نہیں کر رہے ہیں اور زہریلے سانپوں کی طرح پیچ وتاب کھا رہے ہیں واللہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی قتل نہ کیا جائے گا جب تک تم میں سے ایک آدمی مقتول نہ ہو جائے۔ اور اگر اپنی گنتی کے مطابق انہوں نے تمہارے آدمیوں کو قتل کر دیا تو سوچو اس کے بعد زندگی کا کیا مزا باقی رہے گا؟ (۸۰)

عمیر کا یہ تبصرہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ مگر ابوجہل تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اندھا ہو چکا تھا۔ اس کی نظر میں تو اپنی فوج تھی ایک ہزار مردانِ جنگ ساتھ ہیں ان میں سے ۶۰۰ زرہ پوش ہیں ۱۰۰ سواروں کا رسالہ ہے اور سب کے سب تیر تلوار نیزے لئے تیار ہیں تو بھلا یہ مٹھی بھر کم زور و ناتواں مسلمان مقابلہ میں کہاں ٹھہر سکیں گے؟ اسے خود اپنے بارے میں بھی یہ زعم تھا کہ یہ شدید جنگ بھلا مجھ سے

کیا انتقام لے سکتی ہے؟ میں نوجوان طاقت ور اونٹ کی طرح ہوں جو اپنے عنفوانِ شباب میں ہو۔ میری ماں نے مجھے ایسی ہی جنگوں کے لئے پیدا کیا ہے۔(۸۱)

اپنی طاقت کا نشہ اور قریش کی سارے قبائل عرب میں برتری کا خمار اس کے شریر ذہن پر شروع سے چھایا ہوا تھا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کی اُس کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ قریشی لشکر جو ابتداً قافلہ تجارت کے تحفظ کی خاطر چلا تھا اور اثنائے راہ میں یہ حتمی اطلاع مل جانے کے باوجود کہ قافلہ خطرہ کی زد سے نکل چکا ہے اور لشکر کے مزید آگے بڑھنے کی حاجت نہیں چنانچہ ابوجہل نے یہ دیکھتے ہوئے کہ لشکر کی روانگی رک جانے سے اس کا اپنا ایجنڈا ناکام ہو جائے گا اس لئے اس نے دھونس سے لشکر کی پیش قدمی یہ اعلان کر کے جاری رکھی کہ اب تو ہم بدر پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ اور بدر میں تو میلہ بازار لگنے کا موسم آجائے گا اس میں پورے عرب سے ہی لوگ آئیں گے۔ پھر ہم وہاں تین دن تک ٹھہریں گے۔ اونٹوں کو ذبح کریں گے سب کو کھلائیں پلائیں گے شراب کے جام لنڈھائیں گے۔ ہماری کنیزیں ہمارے سامنے سارنگی و دف بجا کر محفل رقص و سرور گرمائیں گی۔ سارا عرب ہمیں دیکھے گا انہیں ہمارے متعلق ہمارا یہاں آنا اور لشکر کے ساتھ جمع ہونا معلوم ہوگا تو سب پر ہمارا رعب و دبدبہ قائم ہوگا اور ہماری شہرت پورے عرب میں پھیل جائے گی۔ پس آگے بڑھو!(۸۲)

ابوجہل کے یہ عزائم بتارہے ہیں کہ اپنے غرور گھمنڈ میں وہ بدر تک جانے کو بڑا آسان لے رہا تھا اس کے ساتھ دوسرے لشکری بھی تفریح کے موڈ میں تھے اور جس طرح لوگ راستے بھر انجام سے بے خبر اونٹ ذبح (۸۳) کر کے کھاتے پیتے گانے بجانے والیوں سے دل بہلاتے چلے آرہے تھے، اسی طرح ان کا خیال تھا کہ بدر پہنچ کر موج اڑائیں گے۔ ابوجہل اور شرکائے لشکر کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بدر پہنچ کر انہیں کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رعونت کی حد یہ ہے کہ اصل جنگ میں عتبہ شیبہ وغیرہ کے قتل ہو جانے کے باوجود ابوجہل ڈینگیں مارتے ہوئے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ جو مارے گئے اپنی جلد بازی سے مارے گئے مسلمانوں پر تو اسے اس وقت بڑا رحم آرہا تھا کہ بے چارے خواہ مخواہ مارے جائیں گے اس لئے اس کے خیال میں لات وعزیٰ کی قسم! ہم یہاں سے نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ ہم محمد اور ان کے ساتھیوں کو ان پہاڑوں میں ہی منتشر کر دیں گے۔ دیکھو تم ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا بلکہ ان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لینا تاکہ تم سے الگ ہو کر انہوں نے لات وعزیٰ جیسے خداؤں سے منہ موڑ کر جو غلطی کی ہے اس پر پچھتاوے کا اظہار کر سکیں۔(۸۴) لیکن جب جنگ کی آگ شعلہ زن ہوئی تو ابوجہل کا سارا نشہ ہرن ہو گیا، اور انصار کے دو نوعمر لڑکوں معاذؓ اور معوذؓ کے ہاتھوں وہ زمین چاٹنے لگا، ملائکہ نے

کوڑا اما کر بے دم کیا، اور عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔یعنی سارا غرور خاک میں مل گیا۔(۸۵)

(۱۱)

جنگ بدر کفار و مشرکین مکہ (بہ قیادت قریش/ عتبہ بن ربیعہ) اور مسلمانانِ مدینہ زیر کمان حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے درمیان الفرقان (یعنی) معرکۂ حق و باطل کشمکش کفر و اسلام بت پرستی اور خدا پرستی کے درمیان فیصلہ کن حیثیت میں مشہور روایات کے مطابق بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو برپا ہوئی (۸۷) عددی قوت کے اعتبار سے مکی لشکر بہت عظیم الشان تقریباً ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا تمام تیاریوں کے ساتھ۔ جب کہ مدنی لشکر صرف ۳۰۰/ ۳۰۵/ ۳۱۳/ ۳۱۷/ ۳۲۷/ ۳۴۰ مجاہدین پر مشتمل انتہائی مختصر تھا، معمولی تیاریوں کے ساتھ۔ ظاہری مادی نظر سے نسبت ۱:۳ تھی اس جنگ کا نتیجہ بھی اُسی دن سامنے آ گیا کہ کفار قریشی مشرکین مکہ کے لشکر کو عددی برتری اور مادی طاقت کے باوجود شکست فاش ہوئی اور اہل ایمان مسلمانانِ مدینہ کو عددی کم تری، مادی کم زوری کے باجود باذن الٰہی فتح و نصرت اور کامیابی نصیب ہوئی۔ امام بخاری نے باب قصۃ بدر میں قرآنی تبصرہ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (۸۹) کے زیرعنوان دیگر تفصیلات کے علاوہ اصحاب بدر کی تعداد کی مماثلت اصحاب طالوت کے مطابق بیان کی ہے یعنی تین سو اور ۱۰ سے کچھ اوپر (اصحاب طالوت الذین جازو معه النهر بضعة عشر و ثلاث مأة) (۹۰) قرآن کے مطابق چوں کہ اصحاب طالوت نے صبر و ثبات اور جاں نثاری و بہادری سے کام لے کر جالوت کو قتل کیا اور کامیابی و کامرانی حاصل کی (۹۱) اسی طرح ۳۱۳ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوجہل اور دوسرے کفار و مشرکین کو قتل کر کے) کامیابی و کامرانی حاصل کر کے سنت الٰہی پوری کر دی اور حضرت موسیٰ کے بعد ۱۰۰۰ ق م میں بنی اسرائیل کی تاریخ پھر دہرا دی۔ (۹۲) اسی طرح اس میں ایک پیغام مدینے کے یہود (اہلِ کتاب) کے لئے بھی دیا گیا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا دینی ایمانی تقاضا ہے۔

از منۂ تاریخ میں جنگ بدر ایک نئی اسلامی تاریخ رقم کرنے کا باعث ہوئی۔ اور عرب کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ پورے عرب میں یک ساں طور پر تسلیم شدہ مذہبی سیاسی قوت یعنی قریشِ مکہ کو پہلی مرتبہ اتنی بری طرح شکست سے مٹھی بھر اہل اللہ نے دو چار کر دیا جس کے بعد ان کا عروج بہ تدریج بڑھتا چلا گیا۔ جنگ بدر کا وقوع اللہ کی تدبیر و حکمت کے مطابق منصوبۂ الٰہی کی تکمیل کے لئے، اللہ کے کلمۂ حق، کلمۂ

اسلام کی سربلندی کے لئے ہوا اور سورۃ الانفال میں بیان کردہ نتائج و مقاصد کے تحت ہوا) (۹۳) کفار و مشرکین مکہ کی خصوصاً (اور مشرکین عرب کی عموماً) اپنے دین و مذہب کے بارے میں خوش فہمی کہ وہ حق پر ہیں دور ہوگئی اور یہ غلط فہمی کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے بے دین ہیں رفع ہوگئی اور کھلم کھلا یہ فیصلہ ہوگیا جس کے متمنی مشرکین مکہ اور ابوجہل تھے۔ (۹۴) یہ بھی واضح ہوگیا کہ مدینہ (اللہ و رسول) کے خلاف بغض و عداوت اور مسلسل دشمنی کا رویہ اور نتیجہ قریش مکہ کے حق میں ذرا بھی سودمند ثابت نہیں ہوا۔

بہرحال مسلمانوں کو انتہائی مشکل مراحل سے گزر کر ایک خوشی تو جنگ بدر کے اس نتیجے سے ہوئی جس کے تحت کفار و قریش اور مشرکین مکہ کو اللہ کی مدد سے ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر یہ خوشی اس وقت دو چند ہوگئی جب کہ یہ خبر موصول ہوئی کہ قیصر روم نے شاہِ ایران کو شکست دے کر اپنے تمام مقبوضات واپس لے لئے ہیں اور ایران/ فارس کو شکست سے بری طرح دوچار کر دیا ہے۔ یعنی اہلِ کتاب رومی آتش پرست مجوسیوں پر غالب آگئے ہیں۔ رومی اہلِ کتاب کی فتح و کامرانی کی خبر سے مسلمانانِ مدینہ کو اسی طرح مسرت حاصل ہوئی جس طرح ۹ سال پہلے ۶۱۵ء میں ہجرت ہائے حبشہ کے زمانے میں رومیوں پر فارس/ ایران کی فتح کی خبر سے مشرکین مکہ کو خوشی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے غلبے کی فال لیتے تھے۔ (۹۵) جب کہ اُس دن فال برعکس ہوئی کیونکہ میدان بدر میں نہ صرف کفار و مشرکین مکہ خود اہل توحید مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئے بلکہ رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی ناکامی کی خبر نے قریشیوں کو ذہنی طور پر مزید دل شکستہ، رنجور و افسردہ کر دیا۔ (۹۶) اسی طرح ۹ سال پہلے (۶۱۵ء میں) سورہ الرم (آیات ۱ تا ۷) میں قرآن اور زبانِ رسالت مآب سے رومی غلبہ کی جو پیشین گوئی بضع سنین کے حوالے سے کی گئی تھی وہ اپنے ٹھیک وقت پر حرف بہ حرف سچی ثابت ہوئی۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ تھا اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا کیونکہ فتح و شکست عطا کرنے کا کلی اختیار اللہ کے پاس ہے۔

مختصر یہ کہ جنگ بدر کلیۃً منصوبۂ خداوندی کے مطابق لڑی گئی کہ یوم الفرقان کا تقاضا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں لحہ بہ لحہ ہدایات کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت کو ناکافی وسائل، ناروا حالات کے باوصف، کفار مشرکین مکہ کی بھاری بھرکم فوج سے بھرپور وسائل اور سازگار حالات رکھتے ہوئے ٹکرا دیا گیا (یوم التقی الجمعان) تا کہ حق تعالیٰ جل شانہ اپنے رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آبرومندانہ فتح سے نوازے اور سبیل حق کے جادہ پیما اہلِ ایمان احقاق حق اور ابطال باطل کو نمایاں کر دیں اور سارے زمانے کو برملا معلوم ہو جائے کہ دینِ حق کے علم بردار ہی دنیا میں سرافراز ہو کر رہیں گے اور اعداد مخالفین اپنی ظاہری طاقت کے باوجود مغلوب ہو کر رہ جائیں گے

(لیھلك من ھلك عن بینة ویحیٰ من حی عن بینة) میدان جنگ میں گھمسان کا رن پڑا تو اپنے فرستادہ جبریل سے کہلوادیا کہ مٹھی بھر کنکریاں صف اعدا کی طرف اچھال کر پھونک ماردیں (شاھت الوجوہ) ان کے ناکام پلٹنے اور چہرے بگڑنے کے لئے کافی ہوگا (وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ) اور جب حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے مضطرب ہوکر پکارا تھا بار الٰہ اب تو تیری مدد آہی جائے، کہ تیری نام لیوا کم زوروں کی مٹھی بھر جماعت اگر واقعی ہلاک ہوگئی تو دنیا میں تیری عبادت کے چراغ نہ جل سکیں گے۔ اس پر غیرت حق کا جوش میں نہ آنا قابل تعجب ہوتا۔ اشارے کی دیر تھی کہ زرد عمامہ باندھے ہتھیار سجائے جبریل کی کمان میں فرشتوں کے پرے کے پرے اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے قطار اندر قطار آتے چلے گئے۔ آن کی آن میں میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور شیطان سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ جنگ ختم ہوگئی۔ سپہ سالار اعظم کو فراغت ہوئی تو جبریل امیں آگئے اور جناب مصطفوی میں عرض کی: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان اللہ تبارك و تعالیٰ بعثنی الیك و امرنی ان لا افارقك حتی ترضیٰ، ھل رضیت قال نعم رضیت! فانصرف (۹۷) (اے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے مجھے آپ کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ میں اس وقت تک مسلح حالت میں آپ کی معیت میں رہوں جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے نتیجے سے راضی نہ ہوجائیں۔ تو اللہ کے رسول کیا اب آپ راضی خوش ہیں؟) اور جب تک اللہ کے رسول نے اپنی رضامندی، خوشی اور اطمینان کا اظہار نہ کردیا حضرت جبریل نے مفارقت اختیار نہیں فرمائی۔

(۱۲)

جنگ بدر نے ابوجہل اور قریش مکہ کا سرِ پُر غرور خاک میں ملادیا اور طاقت کے گھمنڈ میں بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت بدر میں پہنچ کر جشن منانے، میلہ بازار کی رونق بڑھانے، شراب وکباب سے لطف اندوز ہونے، دعوتیں اڑانے اور رنگ رلیاں منانے کی اپنے تئیں جو منصوبہ بندی کی تھی غیر متوقع حالات نے وہ سب خواب چکنا چور کردیئے۔ اور پورے عرب نے محسوس کرلیا کہ مدینے سے ابھرنے والی نئی قوت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ واٹ نے قریش مکہ کی ناکامی اور مسلمانوں کی فتح کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قریش میں اتحاد کی کمی تھی حالانکہ وہ اصلاً اختلاف رائے تھا۔ قریش ضرورت سے زیادہ پر اعتماد ہوگئے تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ قیادت اور اہلِ ایمان کا جذبۂ شہادت، اجرآخرت کارفرما قوت ثابت ہوئی۔ (۹۸) وہ انصار کی جنگجویانہ صلاحیت سے بہ مقابلہ قریش متاثر نظر آتا ہے اور وہ

قریشی لشکر میں نسبتاً عمر رسیدہ افراد کی موجودگی اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہونا بھی شمار کرتا ہے۔
(۹۹) آگے چل کر واٹ بدر کے بعد کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے قریش کی وکالت کرتا ہے۔
(۱۰۰) اور یہ سمجھتا ہے کہ جنگ بدر میں قریش کا جانی نقصان، اعلیٰ ترین قیادت کا خاتمہ اور جوہر قابل کی کمی کو شدت سے محسوس کیا گیا، اور بہت سے ایسے جو بچ گئے تھے قیدی بنے اور زرفدیہ ادا کر کے چھوٹے، اس لئے اب ابوسفیان سے بڑھ کر کوئی جوہر قابل قیادت کا اہل نہ تھا۔ لیکن واٹ کے نزدیک حجاز میں رہنے والے عربوں نے بہر حال یہ نہیں سمجھا کہ اس جنگ نے واقعی قریش مکہ کی جگہ مسلمانانِ مدینہ کو مرکز طاقت بنا دیا تھا۔ کیونکہ ابھی متعدد ایسے مواقع مزید آنا تھے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت کا امتحان ہونا تھا جس کے بعد ہی لوگ آں جناب کے پاس دور و نزدیک سے کھنچ کر آئیں گے۔ ہاں مگر یہ تو ضرور واضح ہو گیا کہ ابوجہل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑا خطرہ سمجھنے میں کتنا زیادہ حق بہ جانب تھا۔
(۱۰۱) واٹ کے خیال میں ابوجہل نے کئی اور باتوں میں فیصلے کی غلطی کی تھی تاہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا میدان میں مدمقابل آ کر اہلِ مکہ سے مبارزطلبی کر دی تھی جس کا قریش مکہ آبرومندانہ جواب دینے سے پہلو تہی نہیں کر سکتے تھے۔ نیز انہیں چیلنج دے دیا تھا کہ اپنی طاقت کا بھرپور استعمال کر کے دکھا دیں۔
(۱۰۲) یہ بہر حال سب واٹ کی اپنی خیال آرائیاں ہیں اور وہ شاید آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جارح کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ جنگ بدر قریش مکہ نے اپنے زعم باطل، فخر و غرور، نشہ طاقت کو ظاہر کرنے کے لئے مسلمانوں پر خود مسلط کی تھی، ابوجہل کے بیانات دعوے اور انتظامات اس کے مکروہ عزائم اس کی جارحانہ سرشت کے آئینہ دار ہیں، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے ہم راہ مدینے سے نکلنا اصلاً قافلۂ تجارت کے لئے تھا لیکن قریش مکہ کی لشکر کشی کی خبروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالآخر مجبور کر دیا کہ لشکر کفار کی مزاحمت کے لئے پیش قدمی فرمائیں اس لئے آپ کی تمام تر جنگی کاروائیاں جنگ بدر (جنگ احد اور جنگ خندق) میں خالص دفاعی نوعیت کی تھیں۔ اقدامی نوعیت جنگ خندق کے بعد اختیار کی گئی۔ (جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا)

(۱۳)

کفار قریش اور مشرکین مکہ پر جنگ بدر میں بے سروساماں مسلمانوں کی زبردست فتح اور قریش کی عبرت ناک شکست کی خبر نے بہ قول واٹ دو طرح سے اثر ڈالا۔ ایک تو یہ کہ پہلے وہ سخت حیران و پریشان ہوئے کیونکہ شکست کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے اور پھر دوسرے یہ کہ ان کے اندر انتقام کی بے پناہ آگ

بھڑک اٹھی ۔ (۱۰۳) ابن سعد کے مطابق اشراف قریش ابوسفیان کے پاس پہنچے جو قریش کے عظیم الشان قافلۂ تجارت کو خطرہ سے نکال کر لے آیا تھا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی دلی خوشی سے اس بات پر راضی ہیں کہ قافلۂ تجارت سے حاصل ہونے والا سارا نفع مسلمانوں کے خلاف ایک عظیم الشان لشکر کی تیاری پر لگا دیا جائے ۔ (۱۰۴) اس تجویز پر سب سے پہلے خود ابوسفیان نے لبیک کہا اور یہ پیشکش کی کہ میں سب سے پہلے اس تجویز پر صاد کرتا ہوں اور بنوعبد مناف میرے ساتھ ہیں ۔ (۱۰۵) حالات کے تحت قریش کا ردعمل قطعاً غیر متوقع نہ تھا۔ جب جنگ بدر ابوجہل کی اکیلی ضد، ہٹ دھرمی اور ایک آدمی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے پوری قوم کو جنگ (بدر) کے لئے آمادہ کر لیا گیا تھا تو اب تو قریش کے جگر پارے مفادات کی بھینٹ چڑھ چکے تھے وہ بھی ایک دو نہیں ستر کی تعداد میں جب کہ ستر قید ہوئے اور فدیے کی ادائیگی کے بعد رہا ہو سکے، ایسی صورت حال میں انتقام کی آگ بھڑکنا اور بھڑکانا ان کے موروثی مزاج اور قومی تقاضے سے ہم آہنگ تھا۔ قریش مکہ کی جانب سے انتقام کی غرض سے چندے اور فوج کی تیاری زور و شور سے ہوئی یہاں تک کہ تین ہزار افراد پر مشتمل قومی فوج تشکیل پا گئی جس میں سات سو زرہ پوش، ۲۰۰ گھڑ سوار، ۳۰۰۰ اونٹ اور فوجیوں کا دل بڑھانے جان لڑانے پر آمادہ کرنے کے لئے ۱۵ معزز خواتین پر مشتمل دستہ بھی شامل تھا فوج کی روانگی میں تاخیر نہیں کی گئی ۔ قریش کی ان فوجی تیاریوں کی اطلاع حضرت عباسؓ نے خط کے ذریعے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کر دی ۔ (۱۰۵)

اب تمام معاملات کی باگ ڈور (بنومخزوم سے نکل کر) ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی تھی ۔ فوری اقدام کے طور پر بدر کا ماتم منانے کی مخالفت کر دی گئی ۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو خوش ہونے کا خواہ مخواہ موقع ہاتھ آتا ۔ شام کی جانب تجارتی قافلہ کی روایتی عام شاہراہ سے روانگی ملتوی کر کے نجد/عراق کا دوسرا راستہ آزمانے کا تجربہ کیا گیا اور جمادی الثانی ۳ ھ/ نومبر ۶۲۴ ء میں ایک تجارتی قافلہ صفوان بن امیہ کی کمان میں مدینے کے مشرق میں غیر معروف راستے سے بھیجنے کا خطرہ مول لیا گیا ۔ قریش کی بدقسمتی کہ اس کی بھنک پڑتے ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ زید بن حارثہ کے تحت قافلے کے تعاقب میں ۱۰۰ مجاہدین کو حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجا جس نے چھاپہ مار کر قافلے کے رہبر فرات کو پکڑ لیا، کثیر مال بھی ہاتھ آیا باقی لوگ بھاگ گئے ۔ اس سے قبل قوم کا مورال بلند کرنے کے لئے خود ابوسفیان نے ذی الحجہ ۲ ھ/ جولائی ۶۲۴ ء میں بدر کا بدلہ لینے کی قسم پوری کرنے کے لئے جو ناکام کوشش کی تھی جس میں مدینے کے مضافات العریض میں رات کی تاریکی میں ایک انصاری کے گھر پر حملے کے بعد جلد واپسی کے لئے ستو کے بورے پھینکتے ہوئے آنا پڑا تھا تا کہ ۲۰۰ شہ سواروں کے ہم راہ تعاقب میں آنے والے لشکر رسول

(غزوۂ سویق) سے مڈبھیڑ نہ ہو سکے۔اس کا بھی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ اب بھرپور انتقام لینے کے لئے بڑے سے بڑا لشکر جمع کرنے کے لئے بہت سے قبائل عرب مثلاً بنوثقیف، بدوی قبیلہ عبد مناۃ جس میں بنوبکر بھی شامل تھے اور احابیش کو بھی دعوت دے دی گئی۔ (۱۰۶) ابو عامر الراہب (الفاسق) بھی اپنے ۵۰ ساتھیوں کے ہم راہ لشکر میں شامل ہوگیا۔(۱۰۷) جو پہلے مدینے میں رہتا تھا اوس کا بااثر سردار ابن ابی کا خالہ زاد روحانیت کا لبادہ اوڑھے عقیدت مندوں کی جماعت رکھتا تھا لیکن آمد رسول کے بعد اپنے پیروکاروں کے ساتھ مکہ چلا گیا تھا۔خیال یہ تھا کہ جب وہ قریشی لشکر کے ساتھ ہوگا تو بنی اوس اسے دیکھ کر ہی اسلامی لشکر کا ساتھ چھوڑ کر مکی لشکر میں آجائیں گے۔اسی نے متوقع میدان جنگ میں جگہ جگہ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ (۱۰۷/الف)

اوپر کی تمام تفصیلات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جنگ احد کے لئے قریشی لشکر کی روانگی خالص انتقام کی غرض سے تھی، اس لئے اگر جنگ بدر میں شکست نہ ہوتی یا ان کے امرا و اشراف اتنی بڑی تعداد میں نہ مارے گئے ہوتے تو وہ مشتعل ہوکر نہ نکلتے۔گویا غزوۂ احد دراصل غزوۂ بدر کی متابعت میں ہوا۔

(۱۴)

کفار و مشرکین مکہ کا لشکرِ جرار شوال ۳ھ جون ۶۲۵ء کے اوائل میں اسلامی فوج کی آمد سے پہلے ہی مدینہ پہنچ گیا۔(۱۰۸) اور جبل احد کے مغربی کنارہ سے متصل میدان میں (بنوعبد الاشہل بنو حارثہ اور بنو سلمہ کی ملکیت کھیت اور باغات کے وسیع و عریض سرسبز قطعات میں جاکر ڈیرے ڈال دیئے اور اپنے اونٹوں گھوڑوں کو کھول دیا کہ سبزہ چر کے اہلِ مدینہ کو اشتعال دلائیں اور جلد مقابلے کے لئے باہر نکلیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کہ دشمنانِ ریاست مدینہ کا ایک بہت بڑا لشکر اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ عین مدینے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالات کی نزاکت سے پوری طرح آگاہ تھے۔آپ نے اپنے مقرر کردہ جاسوسوں (انسؓ اور مونسؓ) (۱۰۹) کے ذریعے تازہ ترین اطلاعات اور صحابہ سے مشورے کے بعد شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ جمعے کی شام عصر کے بعد آپ نے صحابہ کو علم عطا فرمائے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا: وامضوا علی بسم اللہ فلکم النصر ما صبرتم (۱۱۰) (چلو اللہ کے نام پر نکلو اگر صبر و استقامت سے کام لو گے تو اللہ کی فتح و نصرت تمہیں حاصل رہے گی)۔

اس وقت منافقین سمیت کل لشکر ایک ہزار تھا، راستے میں ثنیہ کے مقام پر ابن ابی کے یہودی

حلیف نے لشکر میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا کہ ہم مشرکوں کے خلاف کسی لڑائی میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ (۱۱۱)

شیخین کے مقام پر فوج کا معائنہ فرمایا اور مغرب وعشا کی ادائیگی کے بعد وہیں قیام فرمایا۔ فجر سے پہلے روانہ ہوکر قریب ترین راستے سے دشمن فوجوں کے سامنے اجلال فرمایا۔ (مقام شوط یا قنطرہ سے) سردارِ منافقین عبداللہ بن ابی اپنے تین سو فوجیوں کو ساتھ لے کر (ایک عذر تو یہ کیا کہ میرا مشورہ مانا نہیں گیا اور دوسرے یہ کہ اصل میں لڑائی وڑائی تو ہوگی نہیں اس لئے یہاں ٹھہرنا بے کار ہے) (۱۱۲) اسلامی لشکر سے الگ ہوکر مدینے واپس چلا گیا۔ (۱۱۳)

ہفتہ کی صبح سورج نکلنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قدوسیوں کی جو جماعت مشرکوں کے گراں ڈیل لشکر کے سامنے لائے وہ صرف سات سو نفوس پر مشتمل تھی یعنی بدر میں مجاہدین کی تعداد سے دوگنی لیکن سامنے موجود دشمنوں کی فوج چار گنا سے زیادہ تھی، صرف دو گھوڑے ایک پر تاجدار مدینہ رونق افروز تھے اور دوسرا ابوبردہ کا تھا۔ زرہ پوش فوجی ۱۰۰ سے زائد نہیں تھے باقی پا پیادہ تیر کمان نیزہ تلوار وغیرہ کے معمولی ہتھیاروں کے ساتھ شوقِ شہادت لے کر آئے تھے۔ (اہلِ ایمان کو معمولی لشکر مختصر ساز و سامان، کم تر وسائل کا سامنا پہلی مرتبہ نہ تھا جنگ بدر میں بھی اسی طرح کی کم زوری کے ساتھ اللہ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی تھی) (۱۱۴)

ہم عصر شہادت کے طور پر قرآن کی سورۂ آل عمران (آیات ۱۲۱ تا ۱۷۱ بعد ازاں آیت ۱۷۴۔ ۱۷۵) اور اسلامی تاریخ کے دیگر مآخذ میں غزوۂ احد کی جو تفصیلات اور جدال وقتال سے متعلقہ روداد محفوظ ہے اس کے پیشِ نظر اس جنگ میں مسلمانوں کے حق میں شکست پا جانے کا خیال قرین انصاف نہیں۔ چناں چہ بعض اوقات محققین کا یہ تاثر کہ احد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تاریخی حقائق اور واقعاتی شہادتوں کے خلاف ہے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ جیسے باخبر عالم ومحقق نے حضرت خالد بن ولید کے حملے کے بعد کا ذکر کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اب مسلمان دو طرف سے گھر گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیلی تو ان کے اوسان اور بھی خطا ہوئے اور آخر انہیں شکست ہوگئی۔ (۱۱۵)

حالانکہ دن بھر کی جنگ میں جو نشیب وفراز آئے ان میں سے یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ (پہلے مرحلے میں تقریباً سب کے نزدیک یہ متفق علیہ ہے کہ مسلمانوں کو قطعی برتری حاصل رہی، تمام انفرادی مقابلوں میں اور مبارزطلبی کے جواب میں اہل ایمان کو سو فیصد کامیابی حاصل رہی، اور مسلمان فوج کی ترتیب اور آں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نفس نفیس قیادت نے کسی قسم کا موقع نہیں دیا۔ چنانچہ دشمن فوج تعداد اور اسلحے کی برتری اور سواروں کی کثرت کے باوجود نہ مسلمانوں کا بال بیکا کرسکی، نہ ان کی صفوں میں نفوذ کرسکی۔ واٹ نے لکھا ہے: مکی فوج کو پہلے سواروں کے ذریعے وادی میں آکر حملہ کرنا تھا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں پیچھے دھکیل دیا لیکن پھر جلد ہی عام حملہ ہوگیا لیکن مسلمانوں کے حملے اور پیش قدمی سے پہلے ہی مکی فوج نے اپنے آپ کو جنگ سے الگ کرلیا بلکہ بھاگ نکلی، اس وقت تک معلوم ہوتا تھا کہ فتح مسلمانوں کے قبضے میں آچکی ہے۔ لیکن پھر قسمت کا پانسہ پلٹ گیا۔ (۱۱۶) پانسہ پلٹنے کے بعد ہی دوسرا مرحلہ اس وقت آیا جب کہ بہ قول واٹ مکہ سوار دستہ خالد بن ولید کی کمان میں یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمان فوج میں بدنظمی (پہلے پہل مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہونے کے بعد مالِ غنیمت کے حصول میں ہڑبونگ اور مشرکوں کے تعاقب میں افراتفری) پیدا ہوگئی تھی خصوصاً تیر انداز جبل رماۃ سے ہٹ گئے تھے۔ چنانچہ بچے کھچے تیر اندازوں کو ہٹاتے ہوئے خالد نے سواروں کے ساتھ عقب سے حملہ کردیا۔ (۱۱۷) وہ مزید رقم طراز ہے کہ اس حملے سے بے انتہا افراتفری پیدا ہوگئی پھر اسی اثنا میں خبر اڑ گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے ہیں حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعتاً قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ کچھ دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگئے تھے۔ جب کہ ان کے بالکل قریب ہی دو بدو لڑائی ہورہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲ یا ۳ زخم آئے تھے۔ آخر کار مسلمان ان کے نزدیک آئے اور جمع ہوتے چلے گئے اور بڑی حد تک نظم وضبط پیدا ہوگیا اس وقت اچانک ابوسفیان نے آخری بار طنز کے تیر چلاتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی۔ حالانکہ وہ اس وقت مدینہ شہر کے اندر حملہ کرسکتا تھا لیکن اس طرف اس کا خیال ہی نہیں گیا اور اس نے مکے کی راہ لی۔ (۱۱۸)

واٹ کا مندرجہ بالا بیان ہمارے اسلامی مآخذ میں پائے جانے والی تفصیلات سے زیادہ مختلف نہیں۔ بہر حال یہ دوسرا مرحلہ جنگ بتاتا ہے کہ وہ لمحات جس میں کامیابی کے بعد حصولِ غنیمت کی تگ ودو میں تیر اندازوں کا سخت ہدایات کے باوجود مورچہ چھوڑ جانا یعنی قائدِ لشکر کی نافرمانی ہی بڑی مصیبت لائی اور مسلمانوں کے لئے زیادہ جانی نقصان کا باعث بنا حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (۱۱۹) یہ بھی درست ہے کہ خالد بن ولید کے سواروں سمیت جبل احد کی پشت سے چکر لگا کے عقب سے اسلامی فوج پر حملے نے پورے محاذ پر کھلبلی مچادی (الف/ ۱۱۹) اس پر مستزاد یہ امر کہ خشک نالے، وادی، میدان میں گرد وغبار کا طوفان آگیا اور آندھی جس کے سبب آدمی آدمی کی پہچان مشکل ہوگئی اور اہل ایمان خود ایک دوسرے سے الجھ گئے، کئی جانوں کا نقصان ہوا، ادھر آقائے رسالت پناہ پر مشرکوں کی سنگ باری اور بار بار حملوں سے آپ ﷺ کا زخمی ہوجانا، تھوڑی دیر کے لئے

منظر سے اوجھل ہو جانا مجاہدین کی دل شکنی اور اوسان خطا ہو جانے کا باعث بنا۔ مختصراً یہ مرحلہ دوم اہل ایمان صحابہ کے لئے آزمائش اور ابتلا کی منزل ثابت ہوا **ثم اصرفکم عنھم لیبتلیکم** (ب/۱۱۹) لیکن یہ ہلاکت اور جراحت جو مسلمانوں کو پہنچی، ان کی اپنی غلطیوں کے سبب تھی۔ **ھو من عند انفسکم** (۱۲۰)

اس جنگ میں مرحلۂ سوم اس وقت آیا جب کہ حیرانی پریشانی اور حواس باختگی کے دوران حضور رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے جاں نثار مجاہدوں کو بہ آواز بلند پکارنا شروع کیا۔ **الی عباد اللہ الی عباد اللہ!** اس صدائے جاں فزا نے آن کی آن میں جانثاروں سرفروشوں کو پھر سے جمع کر دیا، وہ پھر ڈٹ گئے یہاں تک کہ صبر واستقامت کے ساتھ جنگ نے مسلمانوں کو پھر سے سرخرو کیا (۱۲۱) آقائے رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے گرد (تقریباً ۱۴) جاں نثاروں کے ساتھ ام عمارہ نسیبہ بنت کعبؓ (۱۲۲) نے بھی پاسبانی رسول کا حق ادا کرتے ہوئے کفار قریش کے ہر حملے کو پسپا کر کے حالات کو پلٹ دیا اور کامیابی کی راہ ہموار کر دی۔ مرحلۂ سوم بھی مسلمانوں کے نام رہا، اور فدایانِ رسول ﷺ کے تیور دیکھ کر ہی شکست خوردہ لشکر قریش نے مزید جنگ سے پہلوتہی کر کے راہ فرار اختیار کی۔ چلتے چلتے ابوسفیان کا یہ اعلان تھا کہ اگلے سال بدر پر پھر ٹکراؤ ہوگا۔ (۱۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جوابی اعلان کرا دیا۔ ہاں ہاں ہمارا تمہارا وعدہ رہا (۱۲۴) کفار قریش کے لشکر اور سپہ سالارِ لشکر کا فرار و اعلان کیا ظاہر کرتا ہے؟ یہی تا کہ انتقام بدر پر دل نہیں بھرا اور مدینہ، اسلام، رسول، مسلمانوں میں سے کسی کا استیصال نہیں ہو سکا، اس لئے آئندہ پھر آئیں گے! اور حقیقت یہ ہے کہ اس مرحلۂ سوم میں خود قریش میں مزید مقابلے کی تاب وتواں باقی نہیں رہی تھی۔ جب ہی تو وہ میدان چھوڑ بھاگے۔ چنانچہ واقدی نے ضرار بن الخطاب یعنی مکی فوج کے ایک سورما کا بیان نقل کیا ہے کہ ''واللہ ہم مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکے اور پسپا و گریزاں ہوئے تو میں نے اپنے دل میں کہا یہ جنگ تو بدر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (۱۲۵) دوسری روایت مشرکین کی پیدل فوج کے کمانڈر عمرو بن العاص کی ہے وہ کہتا ہے ''ہوا ایسا تھا کہ جب ہم نے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو ہم نے ان میں سے جس کو پایا ہلاک کیا اور ہر طرف بکھر گئے اس کے بعد ان کے گروہ پھر سے جمع ہو گئے اور ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تب قریش نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ فتح ہمیں ہوئی ہے کاش واپس چلے چلو (۱۲۶) پھر کہتا ہے اگر اب مسلمانوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم بچ نہیں سکیں گے کیونکہ ہم میں سے اکثر زخمی ہیں اور ہمارے گھوڑے بھی تیروں سے چھلنی ہیں چنانچہ سب قریش واپس چلے گئے۔ (۱۲۷)

بہر حال ہفتے کے روز (طلوع آفتاب سے عصر تک) جاری رہنے والی جنگ احد در اصل تین مراحل

میں اختتام کو پہنچی۔ پہلے مرحلے میں بلا شک وشبہ اسلامی افواج کا پلہ بھاری رہا مجاہدین کا مال غنیمت پر لپکنا اس کی دلیل ہے مرحلۂ دوم میں تیر اندازوں کا مورچے سے الگ ہونا، حکم رسول کی نافرمانی، خالد کے سواروں کا عقب سے حملہ، گھمسان کی جنگ، افراتفری، مسلمانوں کی آزمائش، ہلاکت و جراحت زیادہ ہوئی، اور تیسرے مرحلے میں اہل ایمان کا پھر سے سنبھلنا، عزم نو کے ساتھ کامیابی پانا اور اہل مکہ کا فرار، جنگ کو فیصلہ کن حیثیت دے گیا، کفار قریش کو نہ مال غنیمت ملا نہ، فتح حاصل ہوئی نہ قیدی، ان کے ۲۳ (یا ۲۷) آدمی مرے اور کافی زخمی ہوئے۔ جب کہ مسلمانوں کو مال غنیمت بھی ملا ۲ قیدی ہاتھ آئے اور مال مویشی بھی۔

واٹ لکھتا ہے کہ جنگ احد میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کو کھلم کھلا شکست ہوئی، اس سے بھی کم اس بات میں صداقت ہے کہ مکی افواج کو فتح حاصل ہوئی۔ مکے والوں کا جنگی مقصد کم از کم مسلمانوں کا صفایا کر دینا تھا، ایسا کچھ بھی نہ ہو سکا، نیز اہل مکہ میں سے اکثر بدر میں کئے گئے خون کا انتقام چاہتے تھے اس کا بدلہ بھی کم ہی لیا جا سکا۔ (۱۲۸) وہ آگے رقم طراز ہے کہ صورت حال یہ تھی تو میدان جنگ چھوڑنے سے پہلے ابو سفیان نے زیادہ سے زیادہ فائدہ کیوں نہیں اٹھایا، وہ کم از کم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی قوت کو ختم کر دینے کی اہمیت سے تو واقف تھا۔ پھر وہ جانتا تھا کہ ابن قمیہ کا یہ دعویٰ بھی جھوٹا نکلا کہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالا ہے۔ (۱۲۹) بہر حال مکے والے اس سے زیادہ کچھ اور کر ڈالنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھے۔ (۱۳۰) لہٰذا ان کا میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جانا ہی سب سے زیادہ عقل مندی کا فیصلہ تھا۔ (۱۳۱)

میدانِ جنگ سے قریش کے راہ فرار اختیار کرنے کے سبب جنگ ختم ہوگئی۔ البتہ قریش کا اس طرح میدان چھوڑ بھاگنا اگر چہ ان کی خفیہ باہمی مشاورت سے ہوا تھا اور ابو سفیان کے الوداعی اعلان اور چیلنج کے بعد ہوا تھا کہ قریش اگلے سال پھر ٹکر لیں گے تاہم بادی النظر میں یہ ''اچانک'' فرار تھا۔ اس ''اچانک'' کی تہ میں دشمن کی کوئی ''چال'' پوشیدہ ہو سکتی تھی، اس لئے فراست نبوی ﷺ نے اس کا فوری نوٹس لیتے ہوئے، اپنے معتمد صحابہ کو ان کے عزائم کا پتہ چلانے کے لئے ہدایت فرمائی کہ ''جاؤ دیکھو قریش کا ارادہ کیا ہے؟ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑے کوتل بنے ہوئے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ انھوں نے مکے واپسی کا ارادہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر گھوڑوں پر سوار ہیں اور خالی اونٹ ساتھ ہیں تو مطلب ہوگا کہ مدینے کی آبادی پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جلد ہی معلوم ہوگیا کہ پہلی صورت ہے یعنی اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑے کوتل گویا مکہ واپسی کا ارادہ ہے۔

اس طرح گویا اطمینان تو ہو گیا تھا کہ مدینے پر حملے کا فوری خطرہ ٹل گیا ہے لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دوررس ہر ممکنہ خطرے کا سد باب چاہتی تھی اور ہر جنگی چال، دھوکہ، فریب سے تحفظ ضروری تھا، کیا خبر آگے جا کر ان کی نیت خراب ہو جائے اور وہ پلٹ کر حملہ آور ہو جائیں۔ اس لئے قریش کے پیچھے تین جاسوسوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے روانہ فرما دیا کہ ان پر نظر رکھیں۔ ہفتہ کو شام اختتام جنگ کے بعد اتنی ہی مہلت گزری تھی کہ میدان میں شہدا کے دفن کا انتظام اور دیگر سامان سمیٹ کر مغرب تک اور اتوار کی شب اپنے گھروں کو پہنچیں ذرا سا ستائیں مرہم پٹی دوا دارو کریں، اور پھر صبح ہی صبح (غزوہ حمرا الاسد کے لئے) حضرت بلالؓ کے ذریعے منادی کرادی گئی کہ قریش کے تعاقب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں فی الفور نکلنا کوچ کرنا ہے اور شریک سفر وہی مجاہدین ہوں گے جو میدانِ احد سے پلٹ کر آئے ہیں اور ہنوز زخمی و درماندہ ہیں **اذن موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الناسِ بطلب العدو فاذن مؤذنہ ان لایخرجن معنا احد الا احد حضر یومنا بالامس** (۱۳۲) سوائے جابر بن عبداللہ کے جو بہ اجازت رسول ﷺ ہم راہ گئے۔ (۱۳۳)

ہفتے کی شام میدانِ احد سے مدینہ طیبہ واپس آنے کے بعد مغرب تا فجر چند گھنٹوں کے وقفے کے بعد پھر سے قریش کی گراں ڈیل/ ۳۰۰۰ نفری والی فوج کے تعاقب میں جو مکہ واپسی کی راہ میں الروحاء پہنچ کر مقیم تھی۔ اور واپس پلٹ کر مدینے کو تاخت و تاراج کرنے کی خواہاں تھی اسلامی فوج کے ان ہی جانثاروں کو کوچ کا اتوار کی صبح حکم دیا جا رہا تھا جو ہفتے کے دن میدانِ وغا میں سینہ سپر رہے تھے۔ جو اگرچہ تعداد میں بھی کم تقریباً ۶۶۰ تھے اور قائد سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت بہت زخمی اور خستہ حال تھے تاہم شوق شہادت سے سرشار اور راہِ خدا میں چلنے کے لئے تیار، ہتھیار سجا کر آ گئے (۱۳۴) دنیا کی عسکری تاریخ میں اسے عجوبہ ہی قرار دیا جائے گا کہ اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت نے جو محض ایک دن پہلے کفار کی پانچ گنا زیادہ عظیم الشان فوج سے ٹکرائی تھی دوسری صبح پھر سے جرأت مندانہ پیش قدمی کرتے ہوئے مدینہ سے دس میل پر حمراء الاسد جا کر قیام کیا۔ (۱۳۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر تین چار دن تک مجاہدین ارد گرد کے ٹیلوں پر پھیل گئے اور ساری رات آگ کے الاؤ روشن رکھے۔ دور سے دیکھنے والے اس کے سوا کوئی تاثر نہیں لے سکتے تھے کہ بہت بڑی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ (۱۳۶) مشرکوں کا کیمپ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ معبد خزاعی آپ ﷺ سے مل کر ان کے کیمپ پہنچا تو ابوسفیان متجسس تھا اس فوج کے بارے میں جس کے الاؤ روشن نظر آتے تھے اور متمنی تھا کہ مدینے پر پھر سے حملہ کرے۔ معبد نے کہا مسلمان تو بہت تیاری کر کے آئے ہیں اور بھی باتیں بتائیں اور مشورہ دیا کہ حملے کی حماقت نہ کرنا لڑائی کرو گے تو نقصان

اٹھاؤ گے۔ (۱۳۷) ابوسفیان کی عقل مندی میں تو شبہ نہ تھا لیکن واٹ کے خیال میں جنگی و عسکری معاملات کے بارے میں خالد بن ولید جیسی فراست نہ رکھتا تھا حالات کی سنگینی اور مسلم افواج کی ہمت و ولولہ کا اندازہ کر کے ابوسفیان نے کسی جنگ کے مخمصے میں پڑنے کے بجائے مکے واپسی میں ہی عافیت سمجھی۔ صفوان بن امیہ کا مشورہ بھی یہی تھا کہ واپس چلو۔ (۱۳۸)

اس غزوہ (حمراء الاسد) میں اگر چہ جدال و قتال کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت، پیش بینی اور جنگی مہارت کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ اس قسم کے معاملات کو حل کرنے کی بھی جناب صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر معمولی صلاحیت تھی۔ یہ غزوہ جن حالات میں واقع ہوا چاہے اسے جنگ احد کا تکملہ اور تتمہ مانا جائے یا الگ غزوہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نظر عطا کی تھی جو حضرات انبیاء و رسل کے لئے مخصوص ہے۔ ورنہ اس خستہ حالی اور پریشانی کے عالم میں کوئی بڑا سے بڑا سالار بھی یہ اقدام کرنے کی جرأت نہ کرتا، چہ جائے کہ اپنے سے پانچ گنا بڑے لشکر کا تعاقب وہ بھی اس صورت میں کہ جب ایک دن پہلے اس کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہو۔ (۱۳۹) دشمن کے تعاقب میں بھی خاص حکمت عملی کو اختیار کیا گیا، دشمن کی فوج سے ایک حد تک فاصلہ رکھتے ہوئے پڑاؤ اور رات کے وقت کیمپ کے اطراف ٹیلوں پر آگ کے الاؤ روشن کرنا ہیبت افروز سماں پیدا کرنا ہے اور یہ تاثر بھی کہ ایک بہت بڑی فوج خیمہ زن ہے اس کے ساتھ ہی سفارت کاری نے آخر کار دشمن کو خوف زدہ کر دیا اور مقابلے کی ہمت ہار بیٹھا اور ایک مرتبہ پھر راہِ فرار اختیار کی۔ گویا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم سے کم وسائل اور بروقت تعاقب، پیش قدمی کے ذریعے دشمن کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور صحیح سلامت اپنے مستقر قیادت پر مراجعت فرمالی۔ سیاسی، فوجی اور عسکری سطح پر ریاست مدینہ کے تاجدار جو گرفت حاصل کر چکے تھے اس اعتبار سے جنگ احد (بہ شمول حمراء الاسد) سے فراغت کے بعد (واقدی کے حوالے سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہود و منافقین کی یاوہ گوئی پر تادیبی کارروائی کی اجازت طلب کرنے پر فرمایا تھا کہ ''اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اور وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تسلط بخشے گا، پھر آپ نے فرمایا کہ ''اے ابن خطاب اب قریش دوبارہ ہم پر غالب نہ آئیں گے اور ہم اس گوشہ مقدسہ (کعبہ) کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گے۔ (۱۴۰) آپ کا مطلب تھا کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور حجر اسود کو بوسہ دیں گے۔ اور ایسا واقعہ ظاہر ہے تاریخی اعتبار سے آئندہ چار سال بعد عمرۃ القضاء ۷ ہجری میں پیش آیا جب کہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ ہو چکی تھی یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے میں فتح مکہ (۸ ہجری) کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ جب خانۂ کعبہ کو کفر و شرک

کی ہرنشانی سے پاک کر کے پھر سے مرکز توحید بنا دیا گیا۔(۱۴۱) قرآن میں جس طرح غزوۂ بدر کا مقصد و مدعا یہ بتایا گیا تھا کہ کفر اور کفر والوں کی جڑ کٹ جائے اسی طرح سورۂ آل عمران میں جنگ احد کے مقصد و مدعا کو بھی واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا: لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ (۱۴۲) ''تا کہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں''۔ وحیٔ الٰہی کا مضمون اس بات کو مزید موکد کر دیتا ہے کہ جنگ احد میں کفارِ مشرکین مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا جب کہ اللہ ورسول اور مسلمانوں کو سرفرازی نصیب ہوئی۔

اسناد و حواشی

۱۔ تاریخ و سیر کے قدیم و جدید عربی مآخذ اور اردو مولفین و مصنفین سیرت کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ ۸ھ کے ماہِ رمضان میں پیش آیا۔ جب کہ مغربی مصنفین، مستشرقین کے ہاں اس کا عیسوی تقویمی تطابق جنوری ۶۳۰ء بیان کیا گیا ہے۔ البتہ ۲۰ویں صدی میں اسلامی تاریخی واقعات میں پائے جانے والے توقیتی تضادات کو حل کرنے کے لئے بہ طور خاص اردو زبان میں کئی قابل ذکر کوشش ہوئیں (ان میں نمایاں ترین کوشش اسحاق، النبی علوی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب وغیرہ کی تھیں) اور ابھی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''تقویم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' (مصنف علی محمد خاں صاحب مرحوم) کے مطابق عہد رسالت میں پائی جانے والی تین طرح کی تقاویم (قمری ہجری تقویم، مکی شمسی خریفی تقویم اور مکی ربیعی تقویم بہ مقابلہ عیسوی تقویم) کی دریافت کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ فتح مکہ کا واقعہ رمضان میں ضروری پیش آیا لیکن یہ کون سا رمضان تھا؟ کیونکہ ہجری تقویم کے لحاظ سے رمضان کا تطابق جنوری ۶۳۰ء قرار پاتا ہے (جو سردی کا مہینہ تھا جب کہ غزوۂ فتح مکہ کے ضمن میں رمضان اور گرم موسم کی پوری مناسبت مکی شمس خریفی تقویم کے رمضان سے ہوتی ہے جس کا عیسوی تقویم میں تطابق جون ۶۲۹ء سے ہوتا ہے۔ اس بات پر مآخذ کا اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے سے روانگی ۱۰ر رمضان کو ہوئی تھی (ابن ہشام: ج۴، ص۴۲) صرف بلاذری نے روانگی ۱۳ر رمضان کو لکھی ہے (بلاذری، انساب: ج۱، ص ۴۴۹) اردو میں مولانا شبلی (ج۱، ص۴۷۴)، رؤف دانا پوری (اصح السیر: ص۲۹۳)، مولانا کاندھلوی (سیرت المصطفیٰ: ج۳، ص۲۲) وغیرہ کے یہاں بھی روانگی کی یہی تاریخ ہے۔ یوم فتح مکہ کی تاریخ ابن سعد کے مطابق جمعہ ۲۰ر رمضان ۸ھ ہے، طبری (ج۲، ص۳۴۳)، یعقوبی (ج۲) اور ابن اثیر (ج۲، ص ۱۱۹) کے ہاں بھی یہی درج ہے جب کہ (مولانا شبلیؒ نے تاریخ فتح مکہ اور دن کا تعین نہیں کیا) البتہ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے جدول واقعات عظیمہ کے تحت فتح المبین مکہ پنج شنبہ ۲۰ر رمضان ۸ھ (بہ مطابق ۱۲،۱۱ جنوری ۶۳۰ء) مانتے ہیں، (ج۲، ص۳۶۶) نیز صاحب اصح السیر فتح مکہ ۲۰ر رمضان کو

(۳۲۰) اور محمد اجمل خاں (سیرت رسول عربی ﷺ: ص ۵۵۳ میں) فتح مکہ ۲۰ رمضان ۸ ھ قرار دیتے ہیں، اس لحاظ سے مجموعی طور پر فتح مکہ اتوار ۲۰ ر رمضان ۸ ھ (بہ اعتبار مکی خریفی تقویم) مطابق ۱۸ ر جون ۶۲۹ء قرار پائی ہے۔ کیونکہ مکی خریفی تقویم ہجری تقویم سے ۶ ماہ پیچھے تھی (مزید تفصیل و توضیح کے لئے ملاحظہ ہو: علی محمد خاں، تقویم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کراچی ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰)

۲۔ شبلی، سیرت النبی۔ دینی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ج ۱، ص ۲۹۱

۳۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (عبداللہ بن ابی کے نام قریش کے خط کی) خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو سمجھایا کہ ''کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے''؟ چوں کہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس سے عبداللہ اس نکتے کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ ایضاً

۴۔ سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین۔ الفیصل، لاہور، ۱۹۹۱ء: ج ۱، ص ۹۴

۵۔ ایضاً: ص ۹۷

۶۔ ایضاً: ۹۸

۷۔ ہجرت مدینہ کے بعد ریاست مدینہ کی تاسیس اور بہ حیثیت حکمران درپیش مسائل کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدامات کا مفصل مطالعہ راقم الحروف نے ایک اور مقالے میں کیا ہے۔ دیکھئے: ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء نقوش۔ رسول نمبر: ج ۵

۸۔ متن میں دیئے گئے خاکے، نقشے، گراف ابتدائی تیرہ سالہ مکی دور میں دعوت نبوی ﷺ اور عداوت قریش کی ارتقائی صورت حال کو واضح کرتے ہیں۔ یہ اگرچہ حقائق تاریخی اور واقعی اعداد و شمار کے پیش نظر مرتب کے گئے ہیں تاہم انھیں قطعی اور حتمی واقعی بہر حال نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ قیاسی ظنی اور متوقع (Probable) ضرور کہے جا سکتے ہیں (یہ گویا ذہن جدید کے لئے مطالعے کے نئے زاویے اور تفہیم سیرت کی نئی جہت متعارف کرانے کی خاکسارانہ کوشش ہے) جہاں تک دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو و نما اور کامیابی کے تناسب کا میزانیہ ہے۔ وہ اس حقیقت کبریٰ پر استوار ہے کہ انبیاء و رسل کی پوری انسانی تاریخ میں یہ اعزاز و افتخار صرف خاتم الانبیاء سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ۲۳ سالہ پیغمبرانہ مشن میں صد فی صد کامیابی حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ کا مشن، آپ کی لائی ہوئی دعوت (دین/ اسلام) اور آپ کی قائم کی ہوئی ریاست آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی ہی مقدس نگاہوں کے سامنے اتمام و اکمال کی منزل سے ہم کنار ہوئی اور جملہ کامیابیاں کامرانیاں آپ ﷺ کی قدم بوسی کرنے پر نازاں ہوئی۔ چنانچہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ دعوتی زندگی میں مجموعی کامیابی کی سالانہ ترقیاتی اوسط (Anual average ratio) حسابی قاعدے سے (۲۳÷۱۰۰) = ۴.۳۴ قرار پاتی ہے اسی لحاظ/ شرح سے تیرہ سالہ مکی دور میں

۳۴،۴×۱۳ کی شرح بندی ۴۲،۵۶ پر فتح ہوتی ہے۔

جہاں تک عداوت قریش کا تعلق ہے تو اس کا صریحاً آغاز (دعوت نبوی ﷺ کے تین سالہ خفیہ، خاموش تبلیغی دور کے بعد) کوہِ صفا پر حضور ختم المرسلین، نذیر مبین کے واشگاف اعلان (اور ابولہب کی منہ در منہ مخالفت اور برسر موقع انکار و استرداد) کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے ان کی مخالفت برائے مخالفت تھی (جس کے تحت وہ نئی بات پر حیران و پریشان، تنقید، تبصرہ، تمسخر سے کام لیتے رہے) اصل صورت حال اس کی گیرائی و گہرائی سمجھنے اور گھر بار معاشرے پر اثرات کا اندازہ (اعلان کوہِ صفا) کے بعد ہوا۔ اس کے بعد عداوت کا آغاز ہوا (گویا آغاز عداوت تک دعوت نبوی (پیش رفت کر کے) تین سال آگے جا چکی تھی۔ (اور عداوت قریش تین سال پیچھے شروع ہوئی)۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دعوت نبوی اور عداوت قریش کی نوعیت و حقیقت میں ہی تفاوت نہ تھا، واقعیت، رفتار کار اور نسبت فروغ و ارتقا میں بھی فرق واقع ہو گیا تھا۔ اس اعتبار سے مکی دور کے ۱۳ سالوں میں عداوت قریش کی سالانہ رفتار ترقی اندازاً اوسطاً ۲.۶۷ کے حساب سے مجموعی (۱۳×۲.۶۷)=۳۴.۷۲ قرار پاتی ہے۔ (ہذا من عندی والعلم عند اللہ العلیم الخیر)

۹۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ قریش اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینے پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ صحیح نسائی میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ماقدم المدینۃ یسھر من الیل (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے) صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا چنانچہ حضرت سعد وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپ نے آرام فرمایا اس سے بڑھ کر حاکم کی رایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ **عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینہ واویتھم الانصار و متعم العرب عن قوس واحدۃ و کانوا یبیتون الا بالسلاح، لا یصبحون الافیہ** (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جب مدینے آئے تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے)۔ (دیکھئے شبلی/ سیرت النبی، ج ۱، ص ۲۹۳) آگے مزید کہتے ہیں کہ مدینے میں آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی۔ کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینے کی بربادی کا فیصلہ کر لیا (ایضاً ص ۲۹۴)۔

۱۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ مکتبہ ابراہیم دکن۔ طبع دوم ۱۹۴۹ء (دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ص ۴۷ تا ۱۰۱)

۱۱۔ اس دستور کے مکمل متن ترجمہ اور مختلف پہلوؤں پر بحث کے لئے دیکھئے۔ مقالہ ڈاکٹر نثار احمد۔ نقوش رسول نمبر ۵ (ص ۹۰ تا ۱۱۱)

۱۲۔ مولانا شبلی نے غزوات نبوی کے اسباب اور انواع کے تحت سرایا کے مقاصد کو اس طرح بیان کیا ہے: ا۔

محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی ،۲۔ دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا،۳۔ قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وعمرے کی اجازت دیں،۴۔ امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجیں بھیجنا،۵۔ اشاعت اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی (سیرت النبی ج ا،ص ۵۳۸ اگلے صفحات میں مزید تفصیل اور مثالیں نقل کی ہیں)۔

۱۳۔ مولانا شبلی نے (سیرت النبی ج ا،ص ۵۲۶ تا ۵۶۸ میں) غزوات پر دوبارہ نظر کے زیرِ عنوان بڑی تفصیل سے غزوات کے مقاصد اور اسباب غزوات کے انواع اور جنگی اصطلاحات پر بحث کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ لڑائی عبادت بن گئی ۵۶۴ تا ۵۶۶ اور آخر میں فاتح اور پیغمبر کا امتیاز ۵۶۷ تا ۵۶۸ بیان کیا ہے۔

۱۴۔ مدینے کے مرکزی قبائل میں یہودی قبائل کی متعدد شاخیں (ہجرت رسول سے پہلے) اثر و رسوخ رکھتی تھیں۔ (بنو ثعلبہ، بنو زرعہ، بنو قیقاع، بنو زید، بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو عوف، بنو قصیص یا عصیص یا بنو بہدل وغیرہ) یہود چوں کہ کتاب وشریعت کے حامل سمجھے جاتے تھے لیکن نسلی فخر وغرور اور تعصب ان میں بہت تھا۔ وہ اہلِ عرب کو امی (Gntiles) کہتے تھے جس کے معنی صرف ان پڑھ کے نہیں بلکہ وحشی اور جاہل کے ہیں۔ عام عربوں میں ان کو بڑی عزت ووقعت تھی اور دینی معاملات میں ان سے رہنمائی کے طالب ہوتے تھے چنانچہ قریش نے ہی متعدد بار اپنے وفود ان کے پاس اس لئے بھیجے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی صفات وخصوصیات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے معلوم کریں۔ یہود کی برتری کا رعب اوس اور خزرج پر تو یہاں تک تھا کہ جب ان کے بچے زندہ نہیں بچتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنائیں گے (تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ ڈاکٹر نثار احمد، نقوش رسول نمبر ج ۵ حواشی ص ۲۵۷ تا ۲۵۹) یہود کے علاوہ عرب قبائل میں اوس اور خزرج اور ان کی مختلف شاخیں مدینے میں آباد تھیں۔ جب اوس اور خزرج مدینے آئے تو وہاں یہودی قبائل آباد تھے اور ان ہی کو وہاں غلبہ حاصل تھا۔ البتہ مالک بن عجلان کی کوششوں اور ابوجبلہ غسانی کی امداد سے اوس اور خزرج کو یہود پر غلبہ حاصل ہوگیا تھا لیکن ایک عرصے بعد دونوں کی باہمی خوں ریزیوں کے سبب ان کی برتری کا خاتمہ ہوگیا۔ خاص طور پر آخری جنگ (جنگ بعاث) نے ان کو بالکل خراب وخستہ کردیا۔ جنگ بعاث کا آغاز بعثت نبوی ﷺ سے قبل ہوا تھا اور اختتام ہجرت رسول سے چند سال پہلے ہوا۔ (ایضا ۲۶۰) یہودیوں میں بہ قول ڈاکٹر حمید اللہ بنو قیقاع عزت میں سب سے ممتاز مانے گئے ہیں ان کا پیشہ زیور سازی زیور فروشی اور سودی قرض دہی تھا۔ بنو نضیر کا قبیلہ نخلستانوں کا مالک اور زراعت پیشہ تھا۔ بنو قریظہ اگرچہ سب سے زیادہ جنگ جو بتائے جاتے تاہم پیشہ ور چمار تھے اور جوتے وغیرہ بناتے اور بیچتے تھے۔ مگر یہ کم ذات اور حقیر سمجھے جاتے تھے۔ کسی قریظی یہودی کا خوں بہا نضیری یہودی سے آدھا ہوا کرتا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ناانصافی کو منسوخ فرما کر مساوات کا حکم دیا۔ (دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۷ اور ص

۲۵۳ و مابعد) انصار مدینہ کی آبادی خصوصاً اوس اور خزرج اور ان کی خاندانی ذیلی تفصیلات اگرچہ اسلامی تاریخ کے اہم مآخذ میں بھی پائی جاتی ہیں تاہم واٹ نے اپنی کتاب محمد ایٹ مدینہ میں ان کا تفصیلی خلاصہ پیش کر دیا ہے اور اپنا تبصرہ بھی (دیکھئے واٹ ص ۱۵۱ تا ص ۱۸۰) واٹ کے خلاصے پر ایک مزید اضافہ ابن حزم کی جوامع السیرۃ سے مستفاد ڈاکٹر لیبین مظہر صدیقی کے اپنے مقالے عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (نقوش رسول نمبر جلد ۵ ص ۲۴-۴۴۳) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ جنگ بعاث کے بعد بہ قول واٹ قبائل کے درمیان کوئی باقاعدہ صلح نہیں ہوئی تھی البتہ سب (متحارب قبائل) آپس میں لڑ لڑ کر اتنے بدحال ہو گئے تھے کہ مؤثر جنگ کے لئے ان میں دم خم نہ رہا تھا نیز متحارب گروہ ایک دوسرے کا سامنا کرنے سے اس لئے بھی کتراتے تھے کہ ذرا سی غفلت پر کسی کی بھی جان جا سکتی تھی (واٹ ص ۱۵۸) مدینے میں اسلام کی برکت اور حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تمام متفرق عناصر کے سامنے ایمان کی وہ مشترک بنیاد میسر آ گئی کہ تمام متحارب گروپ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ چنانچہ قرآن کی سورۃ آل عمران (آیت ۱۰۳) میں اس واقعے کو احسانِ خداوندی اور نعمتِ الٰہی شمار کیا گیا ہے۔ عربی اردو کی اکثر و بیشتر تفاسیر و حواشی میں اسلام کی یہ دولت متفرق مدنی عناصر کا اسلام کی بہ دولت اتحاد و اشتراک سے بہرہ ور ہو جانے کا نکتہ واضح کیا گیا (مثلاً ابن کثیر ج ۲، ص ۸۵، ۸۴، حقانی ج ا پارہ ۴ ص ۷، حاشیہ نعیم الدین مراد آبادی ۹۲ اور مودودی) تفہیم القرآن ج ا ص ۷۷ وغیرہ وغیرہ)

۱۶۔ تفصیل کے لئے ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی عام قبائل عرب سے تعلقات ص ۲۷۷ تا ص ۲۹۶) واٹ نے بھی جغرافیائی، طبعی وقوع کے اعتبار سے کے/ مدینے کے اطراف، شمالی، جنوبی، مغربی اور مشرقی قبائل عرب نیز پراگندہ قبائل عرب کی تفصیل اپنی کتاب میں بیان کر دی ہے۔ (ص ۸۱ تا ۱۲۴)

۱۷۔ ابن ہشام نے سریۂ عبداللہ بن جحش، نزول یسئلونك عن الشهر الحرام کے زیرِ عنوان پوری تفصیل تحریر کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خط میں ابن جحش کو نخلہ پہنچ کر قریش کی حرکت پر نظر رکھنے اور اطلاع کرنے کی ہدایت فرمائی تھی (ج ۲ ص ۲۵۹) مولانا شبلی نے غزوہ بدر سے پہلے سریہ عبداللہ بن جحش میں عمرو بن الحضرمی کے قتل کے واقعے کو تمام قریش کے مشتعل کر دینے کا سبب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ثار یعنی انتقام کی بنیاد قائم ہو گئی۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعے سے وابستہ ہے (محمد علی خان ۷ ا ص ۲۹۸)۔

حضرت عروہ بن الزبیر، حضرت عائشہ کے بھانجے تھے انہوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے پھر طبری کا حوالہ نقل کیا ہے (ایضاً) اگلے صفحات میں اس مسئلہ پر محققانہ بحث کی گئی ہے کہ غزوۂ بدر کا مقصد کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا (دیکھئے شبلی سیرت النبی ج ا ص ۳۲۳ تا ۳۳۷) آگے چل کر غزوۂ بدر کا اصلی سبب کا عنوان قائم کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا۔ (۳۳۷)

۱۸۔ قرآن کی سورت قریش کی دوسری آیت میں الفهم رحلة الشتاء والصيف کے الفاظ میں یہ مفہوم واضح

ہے کہ اُن (قریش) کو الفت ہے جاڑے اور گرمی کے سفر سے گویا قریش (زمانۂ دراز سے) سردی اور گرمی کے موسم میں (سال میں دو مرتبہ تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کرنے کے عادی و مانوس ہو گئے ہیں۔

سردیوں کے زمانے میں جنوب عرب تک جانے کے لئے اور گرمیوں میں شمال کی طرف شام و فلسطین کی طرف کہ وہ ٹھنڈے علاقے ہیں (جو ان کی خوش حالی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں)۔ قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ سیکڑوں سال سے جاری و ساری تھا۔ اونٹ بکریاں اونٹوں اور بکریوں کی کھالیں اور اُون گھوڑے، گوند لوبان، روغن بلسان عقیق وغیرہ کچھ قیمتی پتھر اور اسی طرح کی کچھ چیزیں برآمد کر سکتے تھے اور تبادلے میں غلے برتن اور ہتھیار اور کپڑوں کی درآمد ہو سکتی تھی (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: نثار احمد نقش سیرت کراچی ۱۹۶۸ء ص ۲۰۹ تا ۲۱۷) مولانا مودودی نے قریش کی اس تجارتی شاہ راہ کا نقشہ اپنی تفسیر میں دیا ہے (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۲۲)۔

۱۹۔ یہ تجارتی شاہ راہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام جاتی تھی قرآن مجید نے اسی راستے کو امام مبین سے بھی تعبیر کیا ہے (دیکھئے سورۃ الحجر آیت ۷۹: وانھما لبامام مبین۔ ۱۰ اور ان دونوں قوموں کے اجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں/ مدین، ایکہ/ تبوک کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین و شام جاتے ہوئے اس راستے میں پڑتا ہے اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اس شاہ راہ کے دائیں بائیں واقع تھیں۔

۲۰۔ ابن ہشام نے تجارتی قافلے کا تعارف شان دار الفاظ میں پیش کیا ہے **عیر قریش عظیمۃ فیھا اموال لقریش و تجارۃ من تجاراتھم** (ج ۲ ص ۲۵۷) ایک مفسر کے بہ قول یہ بہت بڑا قافلہ تھا جس کے ساتھ تقریباً ۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۲۳)۔

۲۱۔ ابن سعد کے بہ قول سریۂ حمزہ/ سیف البحر کا زمانہ وقوع رمضان ۱ھ (یعنی ۶۲۳ء) ہے۔ (ج ۲ ص ۶) جس میں ۳۰ مہاجر صحابہ کے دستہ کا قریش مکہ سے آمنا سامنا ہوا، ابوجہل کی قیادت میں ۳۰۰ سواروں کا دستہ مقابل تھا۔ مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرایا لڑائی کی نوبت نہیں آئی (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۵) سریہ عبیدہ بن الحارث شوال ۱ھ/ ۶۲۳ء کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں کی طرف ۶۰ مہاجر صحابہ اور قریش ابوسفیان بن حرب کی کمان میں ۲۰۰ سوار تھے۔ اسی موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے مسلمانوں کی طرف سے پہلا تیر چلایا (ابن سعد ج ۲ ص ۷) سریہ سعد بن ابی وقاص ذی قعدہ ۱ھ/ ۶۲۳ء میں ۲۰ مہاجر صحابہ کا دستہ تھا (ایضاً) سریہ عبداللہ بن جحش رجب ۲ھ/ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔ جھڑپ میں کافر عمرو بن الحضرمی مارا گیا (ایضاً ص ۱۰) پہلا غزوہ غزوۂ الابواء صفر ۲ھ/ ۶۲۳ء کا واقعہ ہے (ایضاً ص ۸) غزوۂ بواط ربیع الاول ۲ھ میں ہوا (ایضاً) غزوہ صفوان/ غزوہ طلب کرز بن جابر الفہری بھی ربیع الاول ۲ھ میں ہوا (ایضاً ص ۹) جب کہ غزوۂ ذی العشیرہ جمادی الآخر ۲ھ میں پیش آیا تھا۔ (ایضاً)

۲۲۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا تھا: **ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم، فاخرجوا الیھا لعل اللہ ینفلکموھا** (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۸)

۲۳۔ ایضاً (لما سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم بابی سفیان مقبلاً من الشام ندب المسلمین الیهم) بلاذری کے الفاظ یہ ہیں: وتحین رسول الله صلی الله علیه وسلم انصراف العیر التی خرج لها الی ذی العشیرة من الشام فندب اصحابه لها وقال: هذه عیر قریش قد اقبلت وفیها جل أموالهم وكانت العیر ألف بعیر (انساب الاشراف۔ المکتبۃ التجاریۃ/ دارالفکر بیروت ۱۹۹۲، ج ۱ص ۳۴۴)۔

۲۴۔ ریاست مدینہ ابتدائی طور پر مدینے کی بستی یا شہر مدینہ کے حدود تک وسیع تھی، زیادہ متعین طور پر اس کی عمل داری جوفِ مدینہ تک یقیناً قائم تھی، جس کے بارے میں منشورِ مدینہ میں یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ جوف مدینہ کا پورا علاقہ حرم محترم قرار دیا گیا۔ جب کہ احادیث میں (مجموعی طور پر) اردگرد کا ۱۲ میل کا علاقہ حرم قرار دیا گیا ہے۔ شمالاً جنوباً اس کی حد مابین عیر الیٰ ثور (شمال میں جبل احد سے ذرا آگے جبل ثور اس کی حد ہے اور جنوب میں اس کی حد جبل عیر ہے) اور شرقاً غرباً مابین لا بتیها (دونوں طرف بکھرے ہوئے پتھروں کے ڈھیر) ہیں۔ یعنی مدینہ طیبہ کی ہر جانب ۳ میل کا فاصل حرم ہے یعنی کل مسافت ۱۲ میل بنتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الدکتور ابو ابراہیم ملا خاطر۔ فضائل مدینہ (مترجم اردو) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور: ص ۵۵ تا ۶۶) ایک جدید العہد مصنف اور ہم عصر محقق ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: جس شہر کو مدینہ منورہ کا نام دیا گیا۔ یہ کوئی ایک شہر نہیں تھا، بلکہ یہ بہت سی بستیوں کا مجموعہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑا رقبہ تھا جس کے بارے میں یہ اندازہ غالباً درست ہوگا کہ وہ موجودہ اسلام آباد کے رقبے کے برابر تھا۔ اس کا طول تقریباً تیرہ چودہ یا شاید پندرہ میل کے قریب تھا عرض دس بارہ میل کے درمیان تھا۔ تمام سیرت نگاروں نے اس کی شمالی اور جنوبی حد جبل احد اور جبل عیر کو قرار دیا ہے۔ (غازی، ڈاکٹر محمود احمد۔ محاضراتِ سیرت۔ الفیصل لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۳۳۴)

۲۵۔ چنانچہ شام سے واپسی میں ابوسفیان جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے آں حضور اور صحابہ کے بارے میں خبریں معلوم کیں اور جب سواروں کے ذریعے اسے یہ خبر ملی کہ وہ قافلے تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے خوف زدہ ہو کر ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت پر اہلِ مکہ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ جلدی پہنچیں اور اپنے مال اموال کی خبر لیں (ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۵۸)

۲۶۔ چنانچہ (غزوۂ بدر کے بعد اور غزوۂ احد سے پہلے) جمادی الآخر ۳ھ/۶۲۴ء میں معمول کا راستہ بدل کر قریش نے ایک تجارتی قافلے کے لئے نجد کے غیر روایتی راستے کا انتخاب کیا۔ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ یہ مسلمانوں کے خوف سے ہی ایسا کیا تھا (وكانت قریش عدلت بعیر ها عن الطریق الی ما، هناك خوفاً من المسلمین، انساب الاشراف ج ۱ص ۴۸۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ۱۰۰ صحابہ پر مشتمل ایک دستہ قریشی قافلے کو روکنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جس نے مدینے سے ڈیڑھ دو سو کلومیٹر دور نجد کے علاقے قردہ میں قافلے پر

چھاپہ مارا۔ ابن سعد کے بہ قول یہ پہلا سریہ تھا جس میں حضرت زید بن حارثہ کو امیر مقرر کیا گیا تھا (ج ۲ ص ۳۶) قافلے میں صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ جیسے مشاہیر تھے۔ دلیل و رہبر فرات بن حیان العجلی تھا۔ قافلے میں کثیر مال سونا چاندی وغیرہ ۳ لاکھ درہم کا سامان تھا جو ہاتھ آیا۔ (خمس میں ۲۰ ہزار درہم کا پڑا اور باقی اہل سریہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ ابن سعد بلاذری) قافلے والے بھاگ گئے۔ رہبر فرات کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، اس نے اسلام قبول کر لیا تو اسے چھوڑ دیا گیا۔

۲۷۔ دیکھیے، ابن ہشام: ج ۲ (۲۴۱ تا ۴۲۷) ج ۳۔ ابن سعد ج ۲ (ص ۵ تا ۱۴۵) بلاذری۔ انساب الاشراف۔ دارالفکر۔ بیروت ۱۹۹۶ء، ج ۱، ص ۳۴۳ تا ۴۶۱۔

۲۸۔ واٹ۔ ولیم منٹگمری محمد ایٹ مدینہ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ لندن ۱۹۷۲ء

۲۹۔ ابن سعد کے مطابق آمد مدینہ کے بعد پہلا سفید علم (ہجرت کے ساتویں مہینے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کو عطا فرمایا اور ان کے زیر کمان ۳۰ مہاجر صحابہ روانہ فرمائے۔ علم بردار حضرت ابومرثد الغنوی تھے (ج ۲ ص ۶) ابن ہشام نے پہلا سریہ عبیدہ بن الحارث کو شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آں حضور نے پہلا پرچم ان ہی کا باندھا تھا (ج ۲ ص ۲۴۱) اس کے بعد دوسرا سریہ حضرت حمزہ کا قرار دیا ہے۔ البتہ یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک پہلا پرچم حضرت حمزہ کو ہی عطا کیا گیا تھا۔ (ایضاً ص ۲۴۵)

۳۰۔ ایضاً ص ۲۴۱

۳۱۔ ایضاً ابن سعد نے ہدف قافلۂ قریش قرار دیا ہے۔ (ابن سعید ج ۲ ص ۸)

۳۲۔ ایضاً: ص ۹

۳۳۔ ایضاً: ص ۹

۳۴۔ غزوۂ ذی العشیرہ کا بہ ظاہر مقصد اُس قافلہ قریش کی ناکہ بندی تھی جو بہت مال و اسباب کے ساتھ بہ غرض تجارت شام کی طرف جا رہا تھا اور ابوسفیان کی نگرانی میں تھا۔ زمانہ وقوع کے اعتبار سے ابن سعد نے اسے بعد ہجرت ۱۶واں مہینہ میں یعنی جمادی الآخر بتایا ہے (ج ۲ ص ۹) جب کہ واٹ نے اس کی مطابقت دسمبر ۶۲۳ء لکھی ہے (ص ۳۴۰) چوں کہ جنگ بدر کے اسباب میں جس قریشی قافلۂ تجارت کا روکنا شمار کیا جاتا ہے وہ یہی قافلہ تھا جو اس وقت (بہ قول واٹ مارچ ۶۲۴ء میں شام سے) واپس مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قریش دسمبر کی سردیوں کو قافلۂ تجارت کو جنوب میں یمن کی طرف بھیجنے کے بجائے شمال میں شام کی طرف روانہ کر رہے تھے جو ان کے معاشی و تجارتی مسلمات کے خلاف ہے۔ لہٰذا تقویمی اعتبار سے اگر ہم سن ہجری کے بہ جائے اس وقت رائج مکی شمسی خریفی تقویم کا جمادی الآخر تسلیم کر لیں تو اس کی مطابقت مارچ ۶۲۴ء سے ہوتی ہے اور جنگ بدر کے موقع پر یہی قافلہ شام سے واپس آیا تو وہ رمضان ۲ھ کے بہ جائے رمضان بھی شمسی خریفی تھا جس کی مطابقت جون ۶۲۴ء قرار پاتی ہے اور ایسی صورت میں پوری تقویمی مطابقت بھی ہو جاتی ہے اور ان کے معاشی تجارتی مسلمات کے مطابق گرمیوں کا موسم اور تجارتی

قافلوں کی شام کی طرف روانگی بھی ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے علی محمد خاں ، تقویم عہد نبوی ص ۹۴۔

۳۵۔ ابن ہشام نے سریۂ عبداللہ بن جحش کے زیرِ عنوان قرآنی آیت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ عبداللہ بن جحش امیر القوم تھے اور ان کے ساتھ ۸ مہاجر ہم راہ تھے جن کے ناموں کی تفصیل بھی دی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (ابن ہشام ج ۲، ص ۲۵۲ تا ۲۵۶) ابن سعد نے دستے کے شرکا کی تعداد ۱۲ لکھی ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰)

۳۶۔ تقویمی اعتبار سے جنگ بدر کا وقوع ۱۶ رمضان ۲ مکی خریفی مطابق ۹ جون ۶۲۴ء ہوا تھا۔ جب کہ عموماً اسے ۲ھ تقویم کے مطابق (مثلاً شبلی ص ۳۰۰) اور سن عیسوی میں مارچ ۶۲۴ء کا واقعہ (مثلاً واٹ ص ۳۴۰) بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اول الذکر تاریخ واقعاتی تاریخی مطابقت کے لحاظ سے قابل ترجیح ہے۔

۳۷۔ (الف) مولانا شبلی نے جنگ بدر پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور سریۂ عبداللہ بن جحش/نخلہ میں عمرو بن الحضرمی کے قتل کو قرار واقعی اہمیت دی ہے، (دیکھئے سیرۃ النبی ج ا ص ۲۹۹ تا ۳۴۲)۔

۳۷۔ (ب) بلاذری، ج ا، ص ۴۸

۳۸۔ عام طور پر جنگ احد کو شوال ۳ ھ بہ مطابق مارچ ۶۲۵ء کا واقعہ گردانا جاتا ہے (مثلاً واٹ ص ۳۴۰) لیکن اسے مکی شمس خریفی تقویم کے مطابق ۷ شوال ۳ ھ بہ مطابق ۱۹ جون ۶۲۵ء بدھ قرار دینے سے موسمی تاریخی واقعاتی تطابق زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علی محمد خاں ، تقویم عہد نبوی ص ۹۶)

۳۹۔ لما اراد ابوسفیان بن حرب ان ینصرف یوم احد نادی: الموعد بیننا و بینکم بدر الصفراء (ابن سعد ج ۲، ص ۵۹)

۴۰۔ ایضاً ص ۴۸۔۴۹

۴۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ایضاً ص ۶۱، ۶۲

۴۲۔ دیکھئے ایضاً ص ۸۷

۴۳۔ ایضاً ۹۳، ۹۴

۴۴۔ ڈوگر، محمد رفیق۔ الامین صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۴

۴۵۔ اسی مقالے کے حاشیہ نمبر ا میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ جمعہ ۲۰ رمضان المبارک ۸ (بہ اعتبار تقویم مکی شمسی خریفی) کو مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ جب کہ عیسوی تطابق ۱۸ جون ۶۲۹ء ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے۔ علی محمد خان ص ۱۰۰) دوسرے تمام مورخین چوں کہ ۲۰ رمضان المبارک تقویم ہجری کے اعتبار سے مانتے ہیں اس لئے عیسوی تطابق جنوری ۶۳۰ء قرار پاتا ہے (مثلاً دیکھئے شبلی ج ا ص ۴۷۱، واٹ ص ۳۴۲)۔

۴۶۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ کیجئے: صدیقی ڈاکٹر یٰسین مظہر۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں۔ محرکات، مسائل اور مقاصد۔ نقوش رسول نمبر۔ ج ۱۲، شمارہ ۳۰ ر جنوری ۱۹۸۵ء (ص ۲۸۰ تا ۲۸۲ فاضل محقق کی تصریحات سے البتہ یہ تاثر ابھرتا ہے کہ تعرض قافلۂ قریش یا کفار قریش کی معاشی ناکہ بندی اور

(ریاست مدینہ کے خلاف عسکری تیاریوں کی غرض سے) ان کی تجارتی و کاروباری سرگرمیوں میں خلل ڈالنا، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمح نظر نہیں رہا۔ ظاہر ہے یہ تاثر حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے لکھا ہے کہ تربیتی مقاصد کی تکمیل کے علاوہ یہ سفر تزویراتی (Strategic) مقصد بھی حاصل کر رہا تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ مؤرخین اس موقع پر غلطی کا شکار ہوتے ہیں انہوں نے اس تین سو کے لشکر کو تجارتی قافلہ قرار دیا ہے حالانکہ کسی تجارتی قافلے کے ساتھ تین سو محافظ نہیں ہو سکتے محافظوں کی اتنی تعداد ہو تو تجارت غیر نفع بخش بن جاتی ہے۔ دیکھئے غزوات خاتم الرسل۔ نقوش سیرت رسول نمبر، شمارہ ۱۳۰، ۱۹۸۳ء ج ۴ ص ۳۳۰۔

۴۷۔ مزید بحث و تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈوگر محمد رفیق۔ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔ لاہور ۲۰۰۶ء: ج ۲، ص ۱۹۸ تا ۲۰۰ سریۂ عبیدہ بن الحارث کے ضمن میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ قریش کے قافلے کے ساتھ دو مسلمان صحابہ سفر کر رہے تھے۔ حضرت مقداد بن عمرو البرانی اور حضرت عتبہ بن غزوان۔ وہ دونوں مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ (ایضاً ص ۲۰۰۔ ۱۹۹)

۴۷/الف۔ بریگیڈیئر گلزار احمد۔ غزوات خاتم الرسل۔ نقوش رسول نمبر ج ۴ ص ۳۳۱۔

۴۸۔ بلاذری کے مطابق جب یہود بنی نضیر کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو وہ خیبر آ گئے اور پھر حی بن اخطب کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ مکے آئے اور ابوسفیان اور قریش کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاتلے کی دعوت دی۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ بالا دستی انہی کو حاصل رہے گی۔ اس پر ابوسفیان بہت خوش ہوا، اور گٹھ جوڑ کر لیا۔ پھر یہود اہلِ غطفان کے پاس پہنچے اور انہیں خیبر کی کھجور میں حصہ داری کے لالچ میں آمادہ کیا، پھر عینہ بن حصن الفزاری، بنی سلیم اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو بھی ریاست مدینہ کے خلاف محاذ میں شامل کر لیا۔ (دیکھئے۔ بلاذری انساب الاشراف، بیروت ج ۱، ص ۴۲۷)۔

۴۹۔ ابن سعد نے اس سلسلے میں مزید تفصیل ذکر کی ہے (ج ۲ ص ۶۵، ۶۶) اور لکھا ہے کہ قریش نے اپنی تیاریوں میں احابیش اور ان کے حمایتیوں کو بھی جمع کر لیا، ۴ ہزار تو صرف انہی کی تعداد تھی۔ دار الندوہ میں اس کا علم بلند کیا، علم بردار عثمان بن طلحہ اس کے ساتھ ۳۰۰ گھوڑ سوار ۱۵۰۰ اونٹ سوار، ابوسفیان کی قیادت میں نکلے تو مر الظہر ان پر بنو سلیم آملے جو ۷۰۰ تھے ان کا سردار سفیان بن عبد الشمس حلیف حرب بن امیہ تھا۔ (ایضاً: ص ٦٦)

۵۰۔ بخاری۔ الجامع الصحیح

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ سورۃ الانفال: ۴۱

۵۳۔ ایضاً: ۷

۵۴۔ ابن الجوزی۔ زاد المسیر فی علم التفسیر۔ المکتب الاسلامی دمشق/ بیروت ۱۹۶۵ء ج ۳، ص ۳۲۴

۵۵۔ ایضا:۸

۵۶۔ ایضا:۴۲

۵۷۔ ایضا:۱۳

۵۸۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۲۹۷۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن الجوزی، ج ۳، ص ۳۵ الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ۔

۵۹۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۷ ابن الجوزی نے ابوجہل کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں **الھم انا کان احب الیك وارضٰی عندك فانصرھم الیوم** (ج ۳، ص ۳۳۵) اے اللہ ہم میں سے جسے تو محبوب رکھتا ہے اور جس سے تو راضی ہے آج کے دن تو ان کی کی مدد فرما۔

۶۰۔ سورۃ الانفال:۱۳۔

۶۱۔ ایضاً:۱۹

۶۲۔ میدانِ بدر میں داخلہ تین سمت سے ہوسکتا تھا اور یہی تین وادیاں تھیں ایک مدینے کی طرف سے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے (**العدوۃ الدنیا**) ایک شام کی طرف سے اور ایک مکے کی جانب سے داخل ہونے کے لئے (جہاں سے کفار مکہ داخل ہوئے۔ **العدوۃ القصوٰی**)۔ مدینے وشام کی وادیوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ایک میل تھا جب کہ مدینے اور مکے سے داخلے کا باہمی فاصلہ تقریباً ۴ میل تھا۔ بدر کا میدان تقریباً ۵½ میل لمبا اور ۴ میل چوڑا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: عبدالباری رسول کریم کی جنگی اسکیم۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۹۲ء ص ۳۴ تا ۳۶) مدینے سے بدر کا فاصلہ آج ۱۵۲ کلومیٹر (۸۰ میل) کے قریب ہے۔ باشمیل کے مطابق مدینے سے بدر کی مسافت قافلے والی راہ سے جس پر آپ چلے تھے تقریباً ۱۶۰ میل تھی (ایضاً ص ۳۳)۔

۶۳۔ میدانِ بدر کا وہ سرا، وہ ناکہ/ وہ کنارہ جو مدینے سے قریب تھا (العدوۃ الدنیا) جہاں اسلامی فوج مدینے سے آکر میدان میں داخل ہوئی تھی۔ اسی طرف اہلِ ایمان نے پڑاؤ ڈالا، اسی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عرش بنایا گیا۔ وہی مستقر قیادت (Force Headquarter) بنا، اس کے قریب ہی بدر کا کنواں تھا اسی جانب مسلمانوں نے صف بندی کی جب کہ مخالف سمت میں دوسرا کنارہ، دور کا ناکہ تھا جہاں سے مکی افواج میدانِ بدر میں داخل ہوئیں (العدوۃ القصوٰی) دونوں کناروں کے تقریباً درمیان میں شام سے آنے والے راستے کے قریب پہاڑی کے پیچھے اترائی میں سمندر کی جانب ابوسفیان کا قافلہ تھا۔ (جیسا کہ قرآن کے بیان، الانفال آیت ۴۲ سے معلوم ہوتا ہے)۔

۶۴۔ ہمارے قدیم مصنفین کے ہاں نقشوں وغیرہ کا رواج نہ تھا۔ البتہ جدید العہد مصنفین کے ہاں نقشے خاکے اور فوٹوؤں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ خصوصاً واقعات سیرت کے ضمن میں مثلاً ڈاکٹر حمید اللہ کی مختصر کتاب عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ میں ص ۴۰ پر جنگ بدر اور متعلقہ تمام نشانات سے بنایا گیا دستی نقشہ۔ مولانا مودودی کی

تفہیم القرآن ج ۲ میں مدینہ سے بدر تک راستوں کا نقشہ مقابل ۱۲۰/۱۲۶ اور جنگ بدر کا نقشہ مقابل ۱۲۶ (نقشہ صاف اور واضح ہے) بریگیڈیئر گلزار احمد کی کتاب غزوات رسول اللہ ج ۲ لاہور ۱۹۹۳ء) میدان بدر کا ایک سرسری خاکہ ۳۳۵ پر دیا گیا ہے جو صحیح ہے لیکن غزوات خاتم الرسل (نقوش رسول نمبر جلد ۴ ص ۳۳۷ پر) انہی مصنف کا نقشہ محل وقوع کی مطابقت نہیں رکھتا۔ الدکتور شوقی ابوخلیل اطلس السیرۃ النبویۃ۔ دارالفکر دمشق ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۶-۱۰۷ پر نقشہ اور فوٹو ہے۔

۶۵۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۲

۶۶۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ لشکر قریش میں شامل ہو کر آنے والے کون لوگ ہیں ارشاد نبوی یہ ہوا تھا **هذه مكة قد القت اليكم افلاذ كبدها** ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۹ (یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے لاکر ڈال دیئے ہیں) جس کا مطلب یہی تھا کہ مکہ مکرمہ کے تمام اہم قائدین اور اشراف میدانِ جنگ میں آگئے ہیں۔ صاحب رحمۃ اللعالمین حضرت مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ ان سب کو ابو جہل ہی چڑھا کر لایا تھا۔ وہ ۱۴ سردار جو دارالندوہ میں آپ کے مشورہ قتل میں شریک تھے ان میں سے بھی ۱۱ بدر میں مارے گئے جو تین بچ گئے، ایمان لے آئے یہ حوالہ بخاری۔ رحمۃ اللعالمین: ج ۱، ص ۱۰

۶۷۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر اللہ نے اپنی مدد کا وعدہ پورا کیا۔ چنانچہ ملائکہ کے پرے کے پرے جنگ بدر میں اہل ایمان کی مدد کے لئے اتر آئے (الانفال: ۹) ملائکہ کی یہ مدد صرف اہلِ ایمان کے اطمینان قلب استقامت وسکینت کی صورت میں ہی نہیں نازل ہوئی (انفال: ۱۰) بلکہ تاریخ وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ عملاً شامل معرکہ تھے اور نہ صرف یہ کہ کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت پیدا کر رہے تھے بلکہ انہیں مار رہے تھے اور جوڑ جوڑ پر ضرب لگا رہے تھے (انفال ۱۲، ۱۳) ابن کثیر کے مطابق **كان الناس يوم بدر يعرفون قتل الملائكة ممن قتلوهم يضرب فوق الاعناق وعلى البنان** (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۲۹۱) بخاری نے تو پورا باب **باب شهود الملائكة بدراً** قائم کیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۸۷) ابن ہشام نے الانفال کے حوالے سے شہود الملائکۃ وقعہ بدر کا عنوان قائم کیا ہے (ج ۲ ص ۲۸۵ نیز ص ۳۲۳) اور ابن اسحاق وابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ بدر کے علاوہ (دوسرے معرکوں میں) ملائکہ نے شامل ہو کر کفار ومشرکین کو قتل نہیں کیا تھا۔ صحابہ ان کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سن رہے تھے اور ملائکہ کی آواز بھی کہ **اقدم حيزوم** (حیزوم آگے بڑھو)۔ (ایضاً ۲۸۵، ۲۸۶)

۶۸۔ معرکۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں بار بار جناب الٰہی میں استغاثہ فرماتے رہے اور گڑگڑا کر دعا کرتے رہے۔ خدایا! یہ ہیں قریش! اپنے سامانِ فخر وغرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں۔ خداوندا! بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اے اللہ آج اگر یہ مٹھی بھر اہلِ ایمان کی جمعیت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہو سکے گی۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا! ابوبکر خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد آپہنچی۔ میں

نے جبریل کو اترتے دیکھا ہے وہ اپنے گھوڑے کو زمین وآسمان کے درمیان ہانک رہے تھے۔ زمین پر اترتے ہیں اس پر سوار ہوگئے۔ پھر ان کے گھوڑے پر گرد وغبار دیکھا (مغازی رسول اللہ مترجم اردو۔ عروۃ بن الزبیر مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۱۴۹۔۱۴۸) ابن سعد کے مطابق حضرت جبریل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضرت میکائل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ اور حضرت اسرافیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ نازل ہوئے ان کے زرد سبز اور سرخ عمامے دونوں شانوں کے درمیان تھے اور وہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے (ج ۲ ص ۱۶)۔

۶۹۔ مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے پہلے غزوۂ بدر کا سرنامہ قائم کر کے سورۂ آلِ عمران کی (آیت ۱۲۳) **ولقد نصرك الله ببدر و انتم اذلة** سے آغاز بحث کر کے حالات اسباب وواقعات اور نتائج جنگ بدر سے بحث کی ہے (۲۹۹ تا ۳۲۲) اور پھر غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر کے عنوان سے اس بات پر محققانہ بحث کی ہے کہ غزوۂ بدر کا مقصد کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا (ص ۳۲۳ تا ۳۴۲)۔ مولانا شبلی کے موقف کی حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲ ص ۱۵۳ تا ۱۵۹ پر) یہی عنوان (غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر) قائم کر کے تغلیط وتعقیب کی ہے۔ تاہم اپنے دلائل و براہین اور بعد کی تحقیقات کے پیش نظر مولانا شبلی کا نقطۂ نظر ہی صائب نظر آتا ہے۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ ''حکیم بن حزام عامر حضرمی اور عتبہ وابوجہل اگر غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے تو پھر ان کے مقابلے میں اوروں کا جو سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئے) یہ سمجھنا کہ بدر کی لڑائی کا اصل سبب دوسرا تھا (قافلہ تجارت کا بچانا وغیرہ) کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔'' (عبدالباری ص ۳۰) وہ مزید لکھتے ہیں ''سورۂ انفال کے نص سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو خوف واضطراب اور پہلو تہی کس بنا پر تھی؟ اس سے پہلے بارہا قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لئے دستہ کی شکل میں تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیئے جاتے تھے لیکن کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اس دفعہ اس قافلے کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سمجھے جاتے ہیں۔ (ایضاً ص ۳۱۔۳۲)

۷۰۔ الانفال: ۴۷

۷۱۔ خود سالار قافلۂ تجارت ابوسفیان نے تحریری اور زبانی دونوں طرح قریش کو مطلع کر دیا تھا کہ قافلہ مسلمانوں کے حملے سے محفوظ اور ان کی زد سے نکل چکا ہے اس لئے واپس مکہ لوٹ جاؤ۔ چنانچہ ابن ہشام نے رسالۃ ابی سفیان الی قریش کے تحت لکھا ہے **انكم ان خرجتم لتمنعوا اعيركم ورحالكم واموالكم فقد نجاها الله فارجعوا** (ج ۲ ص ۲۷۰) ابن سعد کے بہ قول یہ اطلاع ابوسفیان نے قیس بن امری القیس کی زبانی بہم پہنچائی اور انہیں لوٹ جانے کا حکم دیا۔ ج ۲ ص ۱۳

۷۲۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۷۱

۷۳۔ ایضاً: ص ۲۷۴

۷۴۔ ایضاً: ص ۲۷۵

۷۵۔ ایضاً: ص ۲۷۳

۷۶۔ ایضاً: ص ۲۷۵

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ ابن سورج ۲، ص ۱۳

۸۰۔ ابن ہشام ج ۲، ص ۲۷۴

۸۱۔ ابن ہشام کے مطابق دوران جنگ ابوجہل بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا اور یہ رجز پڑھ رہا تھا:۔

مـا تـنـقـم الـحـرب الـعـوان مـنـی

بـازلُ عـامـیـن حـدیـث سـنّـی

لـمـثـل هـذا ولـدتـنـی امـی

ابوزفر نے کہا یہ رجز تو ابوجہل کا ہے مگر اسی قسم کا تھا (ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۲۸۷)

۸۲۔ ایضاً: ۲۷۰

۸۳۔ مآخذ میں اگرچہ تفصیل درج ہے تاہم باشمیل نے اپنی کتاب میں فہرست درج کردی ہے کہ قریش لشکر کو پورے راستہ رؤسائے مکہ اونٹ ذبح کر کے ان کو کھلاتے پلاتے رہے اور ہر روز ان کی دعوت زعمائے مکہ کرتے رہے۔ مثلاً ا۔ ابوجہل مکہ سے روانہ ہوتے وقت ۱۰ اونٹ ذبح کئے، ۲۔ امیہ بن خلف نے عسفان کے مقام پر ۹ اونٹ، ۳۔ سہیل بن عمرو۔ قدید میں ۱۰ اونٹ، ۴۔ شیبہ بن ربیعہ نے قریب قدید ساحل سمندر پر ۹ اونٹ، ۵۔ عتبہ بن ربیعہ نے جحفہ میں ۱۰ اونٹ، ۶۔ بنیہ ومنبہ ابنا الحجاج نے ابواء میں ۱۰ اونٹ، ۷۔ عباس بن مطلب نے ابواء و بدر کے درمیان ۱۰ اونٹ اور ۸۔ ابوالبختری نے بدر میں ۱۰ اونٹ ذبح کئے۔ (محمد احمد باشمیل۔ غزوۃ بدرالکبریٰ۔ مطبعۃ شرکۃ الطبع والنشر۔ بیروت ۱۹۶۶ء ص ۳۳۔۱۳۲) ابن سید الناس کے یہاں کچھ اختلاف کے ساتھ ذکر ہے۔ مثلاً امیہ بن خلف کی جگہ سغوان بن امیہ کا ذکر ہے اور کچھ اضافے مثلاً حارث بن عامر بن نوفل نے ۹ ذبح کئے، جبکہ ابواء پر مقیس بن عمرو الجمحی نے ۹ اور ماد بدر پر مقیس الجمحی نے ۹ ذبح کئے، دیکھئے (عیون الاثر، ج ۱، ص ۲۴۹)

۸۴۔ ابن کثیر۔ السیرۃ: ج ۲، ص ۴۳۳

۸۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام ج ۲ ص ۸۹۔۲۸۷ جنگ کے اختتام پر (اگرچہ کفار مکہ ان ہی جگہوں پر قتل ہوئے جن کی نشان دہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پہلے کردی تھی۔ تاہم آپ نے شدید ترین دشمن) ابوجہل کی لاش تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔ اور جب حضرت ابن مسعودؓ اس کا سر کاٹ کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے گویا نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ وہ منظر ہی درحقیقت ناقابل یقین تھا کہ جو بدترین دشمن خود آپ کے قتل کا متمنی تھا آج اسی کا سر آپ کے سامنے موجود تھا۔ آپ نے بار بار پوچھا کہ یہ

اس کا سر ہے نا؟ حضرت ابن مسعود نے تو مرتے مرتے اس سے سوال و جواب کیا تھا اور خوب پہچانتے تھے انہوں نے کہا ہاں یقیناً یا رسول اللہ یہ اُسی فرعون کا سر ہے۔ ابن ہشام نے اگر چہ کئی فصل میں متفرق مقامات پر تفصیلات بیان کی ہیں تاہم ابن سید الناس نے ایک ہی جگہ ترتیب سے تفصیل ذکر کی ہے یعنی حضرت معوذ و معاذ کی ضربات، ابوجہل کا زمین پر گر کر بے سدھ ہو جانا پھر ملائکہ کے کوڑوں (آثار السیاط) کے اثرات سے (غرق آہن ہونے کے باوجود) بے حس و حرکت ہو جانا۔ صرف زندگی کی رمق باقی تھی کہ آخر میں حضرت ابن مسعود اس کا سر اتار لائے۔ (عیون الاثر۔ دار الفکر۔ ج ۱ ص ۲۶۲)

۸۶۔ جنگ بدر کا واقعہ جمعہ ۱۷ رمضان المبارک کا ہونا تقریباً تمام مآخذ میں یکساں مذکور ہے (مثلاً ابن ہشام، ج ۲ ص ۲۷) لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کس تقویم کے مطابق تھا۔ جب کہ اس کی سن عیسوی میں مطابقت کا حالات و واقعات اور موسم کی روایات سے ہم آہنگ ہونا بھی ضروری ہے۔ اُس وقت رائج مکی شمسی خریفی تقویم تھی اور مدینہ کی قمری تقویم (بعد میں یہی ہجری تقویم قرار پائی) ہجری تقویم کے لحاظ سے رمضان ۴ ماہ پہلے آتا ہے جب کہ مکی شمسی خریفی تقویم کے مطابق رمضان کی مذکورہ تاریخ درست ہوگی اس کی مطابقت میں عیسوی سنہ ۶۲۴ کا ماہ جون ہوگا چنانچہ جمعہ (حساب کے مطابق اگر چہ ۱۵ رمضان کو آ رہا ہے اور ہفتہ کو ۱۶ اور اتوار ۱۷ رمضان جو بالترتیب ۸، ۹، ۱۰ جون کے مطابق ہے اس لئے ایک آدھ دن کے فرق سے قریب ترین تاریخ / تاریخیں اس لئے اگر جمعہ کو ہی) ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ (شمسی خریفی مکہ) سمجھا جائے تو اس کا مصداق جون ۶۲۴ء ہوگا گویا ایک دو دن کے فرق سے یہ گرمی کے انتہائی موسم سے عین مطابقت رکھتا ہے اور روایت کان یوما حاراً کے مصداق ہے۔ ملاحظہ ہو علی محمد خاں۔ تقویم عہد نبوی ص ۹۴ واٹ نے (رمضان المبارک ۲) کا مصداق مارچ ۶۲۴ لکھا ہے (ص ۱۰) مولانا شبلی نے عیسوی تاریخ سے مطابقت تحریر نہیں فرمائی، محمد اجمل خاں۔ نے مطابقت ۹ جنوری ۶۲۴ (رسول عربی ص ۴۳۹) دکھائی ہے جو گرمی کے بجائے سردی کا مہینہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ

۸۷۔ بخاری ۵۷، باب قتل ابی جہل۔ وکان یوماً حاراً (ص ۹۴) نیز دیکھئے ابن سعد ج ۲ ص ۲۳۔

۸۸۔ مجاہدین جنگ بدر کا عمومی شمار ۳۱۳ ہے جب کہ ایسے ۸ صحابہ کو جنہیں غنیمت میں سے حصہ دیا گیا لیکن انہوں نے جنگ میں شرکت نہیں فرمائی اس اعتبار سے جنگ کے شرکا ۳۰۵ ہوتے ہیں۔ مہاجرین کی تعداد کے بارے میں ۶۰ سے لے کر ۸۷ کے اسمائے گرامی مآخذ میں نقل کئے گئے ہیں (مثلاً بخاری / مغازی عروہ، ابن ہشام وغیرہ) لیکن ہم عصر تالیف (الامین ج ۴، ص ۲۳۳ تا ۲۳۸) میں بدر میں حصہ لینے والے مہاجروں کی تعداد کے زیرِ عنوان ایک سو چھ (۱۰۶) صحابہ کی فہرست بہ تصریح قبیلہ و نسبت دی گئی ہے۔ نیز مولف علام نے لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام کی وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں ایک سو سے زائد مہاجرین نے حصہ لیا تھا حقیقت کے قریب ترین معلوم ہوتی ہے اس تفصیل کے مطابق بدر میں شہید ہونے والے مہاجرین بھی چھ نہیں آٹھ تھے اور بدر کے شہداء کی کل تعداد بھی اٹھارہ ہو جاتی ہے۔

(ایضاً ۲۳۸)۔ دوسری طرف ایک اور جدید العہد مصنف بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب کی اپنی کتاب غزواتِ رسول (حصہ اول۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، طبع چہارم، ۱۹۹۲ء) میں مہاجر اصحاب کی تعداد کے بارے میں متعدد بیانات محلِ نظر ہیں مثلاً مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مہاجر اصحاب کی تعداد ۴۵ بتائی گئی ہے (ص ۱۵۸) اس وقت تک مہاجر اصحاب کی تعداد ۵۰ کے قریب تھی (ص ۱۵۹) بدر کے معرکے میں نوخیز نوجوانوں سمیت صرف ۶۰ مہاجر ہتھیار بند مہیا ہو سکے تھے تو اس سے چند ماہ قبل غزوۂ ودان کے سفر میں ۲۰۰ کا مہاجر لشکر ہرگز مرتب نہ ہو سکتا تھا (ص ۱۶۳) اور آگے بہ طور نتیجہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ غزوہ بدر سے قبل جہاں کہیں مہاجر اصحابؓ یعنی اسلامی لشکر کی تعداد ۶۰ سے زائد بتائی گئی ہے وہ غلط ہے اس وقت مدینے میں اس سے زائد مہاجر اصحاب موجود ہی نہ تھے (ایضاً ص ۱۷۲) ظاہر ہے یہ تمام بیانات تاریخی حقائق اور مآخذ کے مندرجات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مہاجرین کی تعداد کے مسئلے پر ایک مفید بحث کے لئے دیکھئے (ڈوگر الامین۔ ۴۷، ص ۱۸۲ و مابعد)

۸۹۔ بخاری۔ ج ۵، ص ۹۲

۹۰۔ ایضاً ص ۹۳۔۹۴

۹۱۔ طالوت اور جالوت کا (تاریخی) قصہ سورۂ بقرہ میں (بہ طور تلمیح)/ آیات (۲۴۶ تا ۲۵۱) بیان ہوا ہے۔ اس کی بعض جزئیات وتفصیلات اگر چہ تفاسیر وحواشی میں بیان کی گئی ہیں۔ (مثلاً تفسیر ابن کثیر کے مطابق (قوم بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدت مدید کے بعد ایک روایات کے مطابق حضرت یوشع بن نون کے زمانۂ نبوت میں یا دوسری روایات کے مطابق حضرت شمویل (یا سمویل) کے زمانۂ نبوت میں قوم کے بے حد اصرار پر اعدائے نبوت بہ شمول جالوت سے جنگ کرنے کے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا جنہوں نے قوم کی ہزاروں کی بھیڑ میں سے آزمائش کے بعد اہلِ ایمان کی مختصر سی تعداد کے ساتھ (جن میں حضرت داؤد بھی شامل تھے) جالوت کی بہت بڑی فوج سے مقابلہ کیا اور نفسِ مضمون میں تاکید اس بات پر ہے کہ اللہ کے حکم سے صبر واستقامت سے کام لے کر دشمنانِ الٰہی سے مقابلہ و مقاتلہ کرنے والا چھوٹا سا گروہ بھی اعدا کے بہت بڑے گروہ پر غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ جناب طالوت کی سرکردگی میں اہلِ ایمان کے مختصر لشکر نے اللہ کے حکم سے منکرین ومفسدین کی بہت بڑی فوج پر فتح پائی اور حضرت داؤد نے اعدا وکفار کے سرغنہ جالوت کو قتل کر دیا)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ج ۱، ص ۵۴۴ تا ص ۵۳۹) نیز دیکھئے تفسیری حاشیہ از مولانا شبیر احمد عثمانی (مطبوعہ مکتبہ نورانی لاہور ۱۳۷۸ء ص ۵۱ تا ۵۲)۔

۹۲۔ مفسرین میں سے کسی نے سورۂ بقرہ کی ان آیات (۲۴۶ تا ۲۵۱) کے ضمن میں قصہ طالوت و جالوت کے حوالے سے جنگ بدر کا حوالہ نہیں دیا ہے لیکن حدیث وسیر میں جنگ بدر (میں کفار ومشرکین مکہ کی بڑی فوج اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ قیادت ۳۱۳ اہلِ ایمان کی مختصر گروہ کے درمیان فیصلہ کن جنگ کی مماثلت میں قصہ طالوت و جالوت کا حوالہ بہ تصریح نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہر اعتبار سے اس قصے کی

ٹھیک تاریخی مثال جنگ بدر ثابت ہوئی خصوصاً اصحاب طالوت اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) یکساں (۳۱۳ کی) تعداد اور جالوت کے قتل کی طرح ابو جہل سمیت صنادید قریش کی بڑی تعداد (۷۰) کا قتل کیا جانا۔ مثلاً بخاری میں ہے: انهم كانوا عدة اصحاب طالوت الذين جازوا معه النهر بضعة عشر وثلث مأة. . . . الخ (ج ۵، ص ۹۴) اور ابن سعد کے الفاظ ہیں: كان عدة اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر على عدة اصحاب طالوت يوم جالوت. . . . كان عدة اصحاب بدر ثلث مائة و ثلاث مأة عشر (ابن سعد ج ۲، ص ۲۰-۱۹) وغیرہ وغیرہ۔

۹۳۔ دیکھئے آیات سورۃ الانفال (۷، ۸، ۱۰، ۱۳، نیز ۴۲) آل عمران (۱۲۳)

۹۴۔ قال ابو جهل بن هشام: اللهم اقطعنا الرحم واتانا بمالا يعرف فأحنه الغداة، فكان هو المستفتح (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۰)

۹۵۔ قیام مکہ مکرمہ کے زمانے (جب کہ ۵، ۶ نبوی میں ہجرت ہائے حبشہ واقع ہوئیں) سورۃ الروم کی ابتدائی سات آیات کے مطابق جب زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی کی کہ اس وقت رومیوں پر ایرانیوں کی فتح اگر چہ ہوگئی ہے لیکن چند ہی سال بعد (فی بضع سنین / تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر) رومیوں کو پھر سے ایرانیوں پر غلبہ ہوگا۔ کیونکہ اول آخر اس کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ (اور جب رومیوں کو دوبارہ غلبہ حاصل ہوگا تو اس وقت (فتح بدر کے نتیجے میں) مسلمانوں کو اللہ کی مدد سے جو فتح حاصل ہوگی (يومئذ يفرح المومنون بنصر الله) اس پر وہ خوشیاں منا رہے ہوں گے (اور اس موقع پر آج خوش ہونے والے کفار و مشرکین مکہ خود اپنی جنگ بدر میں شکست پر بھی خائب و خاسر ہوں گے اور) رومیوں کے ایرانیوں پر غلبے کی خبر سے صدمے سے دو چار ہو رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کا ایسا وعدہ تھا جس کی صداقت کا مشاہدہ سب نے کر لیا ہے اب گویا اہلِ ایمان اپنے آئندہ غلبے کی فال لیں تو بجا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۴۲)

۹۶۔ ابن کثیر نے سورۃ الروم میں منقول پیشین گوئی کی صداقت کا ظہور اگر چہ فتح بدر کے موقع کا تسلیم کیا ہے (تاہم معلوم نہیں صلح حدیبیہ کے موقع پر اس کا مصداق کیوں بہ صراحت بیان کیا ہے۔ (ج ۳، ص ۳۴۵) البتہ اس سیاق کو خود ہی غریب شمار کیا ہے (ایضاً) ظاہر ہے یہ تاریخی طور پر بھی (بضع سنین) سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (حاشیہ عثمانی، ص ۵۲۴-۵۲۵)

۹۷۔ ابن سعد، ج ۲، ص ۲۷-۲۸

۹۸۔ واٹ (محمد ایٹ مدینہ) ص ۱۰ ملخصاً

۹۹۔ ایضاً

۱۰۰۔ ایضاً: ۱۴ و مابعد

۱۰۱۔ ایضاً: ۱۴

۱۰۲۔ ایضاً

۱۰۳۔ ایضاً:۲۱

۱۰۴۔ ابن سعد، ج ۲، ص ۳۷ قرآن میں یہ آیت قریش کا جنگی مصارف کے لئے چندے کی مہم کے سلسلے میں نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ (الانفال:۳۶)

۱۰۵۔ ایضاً۔ معلوم نہیں مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے کیوں تاریخ التواریخ کے حوالے سے قریشی لشکر کی تعداد ۵ ہزار لکھی ہے؟ دیکھئے رحمۃ اللعالمین ج ۱، ص ۱۰۳۔

۱۰۶۔ واٹ: ص ۲۰

۱۰۷۔ ابن سعد، ج ۲، ص ۳۷

۱۰۷/الف۔ اس قسم کے ایک گڑھے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گر گئے تھے اور زخمی ہوئے تھے۔ (ملاحظہ ہو: ابن ہشام، ج ۳، ص ۸۵)

۱۰۸۔ واٹ نے لکھا ہے کہ ۱۱ مارچ ۶۲۵ء مطابق ۲۵ رمضان ۳ھ کو (کفار مشرکین مکہ نے ایک عظیم لشکر تیار کرلیا اور) مدینے کے لئے روانہ ہوگئے۔ (ص ۲) اور پھر جنگ احد کے زیر عنوان تاریخ (بہ روز ہفتہ ۲۳ مارچ ۶۲۵ء مطابق شوال ۳ ہجری لکھی ہے۔ (جب کہ لشکر کے نخلستانِ مدینہ پہنچنے کی تاریخ ۵ شوال جمعرات کا دن لکھا ہے) ص ۲۱۔ جب کہ ابن سعد نے بھی غزوہ احد کو ہفتہ ۷ شوال ۳ھ کا واقعہ لکھا ہے۔ جب کہ علی محمد خاں صاحب نے ۷ شوال ۳ھ کی خریفی/ بہ روز بدھ مطابق ۱۹ جون ۶۲۵ء لکھی ہے کیونکہ مکی خریفی تقویم اور ہجری تقویم میں ۸ ماہ کا فرق چل رہا تھا) ملاحظہ ہو ص ۹۶۔ اجمل خاں صاحب نے شوال کی تقویمی مطابقت جنوری سے دکھائی ہے (سیدنا رسول عربی ص ۴۷۹)

۱۰۹۔ ابن سعد، ج ۲ ص ۳۷

۱۱۰۔ ایضاً: ۳۸

۱۱۱۔ ایضاً: ۳۹

۱۱۲۔ ایضاً قرآن نے ابنِ ابی اور منافقین کا یہ قول نقل کیا ہے: قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ (دیکھئے آل عمران ۱۶۷۔ ۱۶۸) منٹگمری واٹ کو عبداللہ بن ابی کی شخصیت اور کردار سے بڑی دل چسپی اور فکر ہے۔ اُسے اس بات کی بھی فکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینے سے لشکر اسلامی کی روانگی کے بعد راستے میں عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی قبائل کی لشکر میں شامل ہونے کی درخواست رد کردی۔ (پھر عین میدانِ جنگ میں اترنے سے پہلے) ابن ابی کا افواج اسلامی سے اپنے ۳۰۰ ساتھیوں سمیت الگ ہوکر مدینہ واپس چلا جانا بھی اچھا نہیں تھا۔ واٹ کے نزدیک ابن ابی کا اس وقت (لشکر میں شامل) ہونا بہت اہم تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ مآخذ تو کچھ اور کہانی سناتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ مدینے کی آبادی اور

لوگوں کی رہائش گاہوں کی حفاظت کے لئے کار آمد ہوسکتا تھا، جس پر دشمن کا حملہ متوقع ہوسکتا تھا نیز وہ جنگ بعاث کے زمانے میں بھی غیر جانب دار رہا تھا (ملاحظہ ہو ص ۲۲) حقیقت یہ ہے کہ رئیس المنافقین کی حیثیت سے پیغمبر اسلام کی خیر خواہی اس کا شیوہ نہ تھا اور یہود و مشرکین سے دوستی کی بنا پر ریاست مدینہ، افواج اسلامی اور صحابہ کرام کے لئے نیک خواہشات رکھنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ جنگ احد کے لئے جانے والے لشکر میں اس کی شمولیت اور عین میدانِ جنگ میں نکلنے سے پہلے (مقام شوط پر (ابن ہشام) یا قنطرہ پر (ابن سعد) اس کا اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کے ساتھ الگ ہونا اور مدینے واپس چلے جانا بدنیتی پر مبنی تھا اور اس وقت مسلمانوں کا مورال گرانا، ان کے لئے جنگی مشکلات میں اضافہ کرنا اور شر کا لشکر کی ہمت اور حوصلہ کو گزند پہنچانا تھا۔ وقتی طور پر اس کا اثر پڑا چناں چہ آل عمران ۱۲۲ کے مطابق اسلامی لشکر میں شامل خزرج میں سے بنو سلمہ نے اور اوس میں سے بنو حارثہ نے جو میمنہ اور میسرہ فوج پر مقرر تھے ہمت ہار دینی چاہی لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور وہ میدان میں ثابت قدم رہے یعنی منافقین کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہوئیں۔

۱۱۳۔ ابن سعد: ج ۲، ص ۳۹

۱۱۴۔ آل عمران: ۱۲۳

۱۱۵۔ دیکھئے: ڈاکٹر حمید اللہ۔ عہد نبوی کے میدان جنگ۔ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء ص ۵۹۔ ڈاکٹر صاحب کی دوسری کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی مترجم اردو پروفیسر خالد پرویز۔ بیکن بکس لاہور۔ ۲۰۰۵ء میں جنگ احد پر ایک مختصر تبصرہ یہ کیا گیا ہے کہ ''مشرکین کی فوج کی تعداد مسلمانوں کی فوج سے چار گنا تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کا کچھ نقصان بھی کیا تاہم جنگ کسی قسم کے حتمی نتیجے و فیصلے کے بغیر ختم ہوگئی۔ (دیکھئے پیراگراف ۱۵۳ ص ۱۳۶) ڈاکٹر صاحب کی پہلی کتاب ان کی قدیم تحریر ہے جب کہ موخر الذکر جدید العہد۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک اور مختصر تبصرہ رسول اکرم کی سیاسی زندگی (کراچی ۱۹۸۷ء) میں بھی موجود ہے۔ ''قریش نے سال بھر تیاری کی اور شوال ۳ھ میں مدینے پر چڑھ دوڑے اور شہر کے باہر احد کے میدان میں مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی فوج کو اتفاقاً پسپا کر دینے کے باوجود لڑائی ملتوی کر دی اور مکہ واپس ہوگئے۔ (ص ۱۱۲) غزوۂ احد میں فتح و شکست کے مسئلے کو ایک جدید العہد مصنف مفصل طور پر زیر بحث لائے ہیں۔ بحث مفید، مفصل، مدلل اور معقول ہے اور جنگ میں بجا طور پر مسلمانوں کی قطعی فتح کو ثابت کرتی ہے: دیکھئے (ڈوگر۔ الامین ۲۰۰۶ء۔ ج ۴، ص ۲۵۹ تا ۲۶۴) معلوم نہیں محمود شیت خطاب نے اپنی کتاب الرسول: لقائد (دار القلم طبع ثالث ص ۱۸۲) میں یہ کیسے لکھ دیا کہ اس جنگ میں مشرکین کی کامیابی پر مورخین کا اجماع ہے۔ اجمل خان صاحب اپنی کتاب سیرت قرآنیہ/ سیدنا رسول عربی میں معرکۂ احد کی تفصیلات میں بار بار اہلِ ایمان کے شکست سے دوچار ہو جانے پر اصرار کرتے ہیں۔ جو حقائق کے منافی ہے (ملاحظہ ص ۴۷۹ تا ص ۴۸۶)

۱۱۶۔ واٹ (محمد ایٹ مدینہ) ص۲۲

۱۱۷۔ ایضاً: ص۲۲

۱۱۸۔ ایضاً: ص۲۳

۱۱۹۔ آل عمران: ۱۵۲

۱۱۹۔ (الف) جن مولفین و مصنفین نے جنگ احد کے موقع ومحل دکھانے کے لئے نقشوں کا اہتمام کیا ہے (خصوصاً حضرت خالد کی کمان میں دستوں کا جبل احد کی پشت سے چکر کاٹ کر اسلامی فوج پر عقب سے حملہ) ان میں سے بعض کی نقشہ کشی بالکل درست ہے مثلاً ڈاکٹر حمید اللہ (عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۶۴) نقشِ سیرت نقشہ مدینہ منورہ بہ شمول احد (ص ۳۷۷) تفہیم القرآن ج ۱ (جنگ احد) بالمقابل ص ۲۸۵ (مکمل ترین اور صحیح ترین قرار دیا جا سکتا ہے)

بعض کے یہاں موقع ومحل کی نشان دہی میں عدم مطابقت ہے مثلاً بریگیڈیئر گلزار احمد۔ غزوات خاتم الرسل نقوش رسول نمبر ج ۴ (ص ۳۴۶) الدکتور شوقی ابو خلیل۔ اطلس السیرہ انبویہ (ص ۱۲۱) مولف نے جبل عینین کو جبل احد کا حصہ بنا دیا اور وادی قناۃ کو اس کے جنوب میں پہنچا دیا۔ ان ہی مولف کی اطلس الحدیث النبوی میں بھی نقشہ درست نہیں۔ فوٹو جو دور سے کھینچے گئے ہیں وہ شاید ٹھیک ہیں لیکن واضح نہیں، دیکھئے (ص ۲۳) الرسول القائد میں خریطہ میدان احد (ص ۱۶۸) کسی زاویے سے درست نظر نہیں آتا۔ اس فقیر راقم الحروف کو بار بار مواقع غزوۂ احد کی زیارت وسعادت حاصل ہوئی خصوصاً جبل عینین، غار استراحت رسول اور جبل احد کے پیچھے وہ راستہ جہاں سے حضرت خالد بن ولید کا گزر ہوا۔ جبل احد کے مغربی گوشے پر وہاں سڑک بن چکی ہے اور ٹریفک سگنل لگا ہوا ہے مقامی روایت میں وہ سڑک طریق الکفار مشہور ہے۔ افسوس الامین، ج ۲، ص ۳۲۴ پر بھی خالد بن ولید کے حملے کا راستہ صحیح طور پر نہیں دکھایا گیا ہے، حضرت خالد جبل عینین کا نہیں جبل احد کا چکر کاٹ کر عقب سے حملہ آور ہوئے تھے۔

۱۱۹۔ (ب) آل عمران: ۱۵۲

۱۲۰۔ ایضاً: ۱۶۵

۱۲۱۔ ایضاً: ۱۵۳۔۱۵۴

۱۲۲۔ ابن سعد کے مطابق ۱۴ حضرات صحابہ ایسے تھے (سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے) جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سید البشر کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ (ج ۲، ص ۴۲) اُس دن سرفروشانِ اسلام میں مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی پاسبانی رسول کا حق ادا کیا خصوصاً امِ عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہ نے۔ جن کا اس روز ایک ہی مقصد تھا کہ شمع رسالت کی طرف بڑھنے والا ہر ہاتھ توڑ دیا جائے اور آقائے مدینہ کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ اُس روز انہوں نے جو کھی لڑائی لڑی حسب موقع تیر کمان سے کام لیا تلوار کے بھی جوہر دکھائے (ابن قمیہ کافر حضور پر وار کرنے آیا تو ام عمارہ نے بڑھ کر وار کیا۔ وہ

دشمن خدا بہ یک وقت دو زرہیں پہنے ہوا تھا اس لئے بچ گیا۔ (دیکھئے ابن ہشام: ج ۳، ص ۸۶، ۸۷)

۱۲۳۔ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۰، ۹۹

۱۲۴۔ ایضاً: ص ۱۰۰

۱۲۵۔ واقدی، کتاب المغازی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبان، ۲۰۰۴ء: ج ۱، ص ۲۴۵

۱۲۶۔ ایضاً: ج ۱، ص ۱۵۷، ۲۵۶۔ اس روایت کو واٹ نے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے ص ۲۸

۱۲۷۔ ایضاً

۱۲۸۔ واٹ: ص ۲۸ ملخصاً (جنگ بدر میں ۷۰ مشرکین مارے گئے اور احد کے روز ۲۳ یا ۲۷ یعنی کل ۹۳ یا ۹۷ جب کہ بدر میں ۱۴ اور احد میں ۷۰ کل ۸۴ اہلِ ایمان نے جام شہادت۔ علاوہ ازیں ۷۰ مشرکین بدر میں اور اور ۲ احد میں قیدی بنے گویا بدلہ برابر نہیں ہوا۔

۱۲۹۔ ایضاً

۱۳۰۔ ایضاً

۱۳۱۔ ایضاً: ص ۲۹

۱۳۲۔ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۷

۱۳۳۔ ایضاً

۱۳۴۔ وحی الٰہی میں ایسے جان بازانِ نبوی کو اجر عظیم کی بشارت کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ ان کو مردہ نہ سمجھا جائے وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے انہیں رزق دیا جارہا ہے اور وہ مطمئن و خوش خرم ہیں (آل عمران ۱۶۹ تا ۱۷۱) اور پھر غزوہ احد میں شریک مجاہدین اسلام جنہوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اب غزوۂ حمرآء الاسد کے لئے پھر سے رسول کی پکار پر لبیک کہہ رہے ہیں حالانکہ زخمی ہیں لیکن کفار کے لشکر سے ٹکرانے سے خوف زدہ نہیں بلکہ اللہ پر توکل اور ایمان کی تازگی کے ساتھ آمادۂ پےکار ہیں صرف رضائے الٰہی کے طلب گار (آل عمران: ۱۷۲ تا ۱۷۴) مولانا شبلی غزوۂ حمراء الاسد کے عنوان سے خوش نہیں اور اسے مورخین کے تکثیرِ غزوات کے شوق کا شاخسانہ سمجھتے ہیں (ج ۱، ص ۳۶۱) علاوہ ازیں جنگ احد کے بعد لشکر کفار کے تعاقب میں صرف ستر صحابہ کی ایک جماعت کا ذکر (بہ حوالہ بخاری) کرتے ہیں۔ لیکن مآخذ اس کے برخلاف جنگ احد میں حصہ لینے والے تمام مجاہدین کی پوری فوج کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں قریش کے تعاقب میں حمراء الاسد تک جانا تفصیل سے بیان کرتے ہیں (مثلاً ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۷ و مابعد، ابن سعد ج ۲، ص ۴۸۔ ۴۹، بلاذری، (انساب) ج ۱، ص ۴۱۳ وغیرہ)

۱۳۵۔ ابن سعد، ج ۲، ۴۹

۱۳۶۔ وکان المسلمون یوقدون تلك اللیالی خمس مأة نار حتیٰ تری من المکان البعید (ابن

سعد، ج ۲، ص ۴۹ ابن سعد کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۵ رات (دن) مدینے سے باہر رہے اور جمعے کے روز واپس تشریف لائے (ایضاً)

۱۳۷۔ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۸

۱۳۸۔ ایضاً ص ۱۱۰

۱۳۹۔ نقشِ سیرت، ص ۴۳۷

۱۴۰۔ مارٹن لنگز (ابوبکر سراج الدین) حیات سرور کائنات (مترجم اردو/ قادری ۲۰۰۰ء) ص ۳۵-۴۳۴ ہم عصر مصنف (ڈوگر) نے لکھا ہے کہ یہ خوش خبری آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ احد میں ارشاد فرمائی تھی (الامین، ج ۴، ص ۲۶۸) جب کہ ابن سعد نے میدانِ احد سے واپسی پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: لن ینالو امنا مثل ھذا الیوم حتیٰ نستسلم الرکن (ج ۲، ص ۴۴)

۱۴۱۔ زیر بحث حالات و واقعات کے پسِ منظر میں ہم عصر مصنف کا یہ عنوان کہ ''فتح مکہ کا عملی آغاز'' بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (ڈوگر۔ الامین، ج ۴، ص ۲۲۸)

۱۴۲۔ آل عمران: ۱۲۷

کتابی سلسلہ

تحقیقات حدیث

مدیر اعلیٰ: سید عزیز الرحمٰن مدیر: طاہر عمر

پہلا شمارہ شائع ہو گیا ہے

صفحات: ۳۰۴ قیمت: ۲۰۰ روپے سالانہ: ۳۰۰ روپے

رابطہ

زاویہ علم و تحقیق، جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامے والی، ضلع بہاول پور

فون: 0300-7856807, 062-2261018

ناموں کے بارے میں اسوۂ رسول ﷺ

مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

حمد ہے خالق و مالک اللہ جل مجدہ الکریم کی جس نے کائنات کے ہر ہر فرد کو جداگانہ نام اور پہچان سے سرفراز فرمایا، جو یکتا ہے جس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں، جو ایسے اسمائے حسنیٰ کا مالک ہے جن میں سے ہر اسم لامحدود مفاہیم و معانی کا امین ہے۔ جس کے ہر مقدس نام میں اس کی رحمت و رافت، شفقت و برکت، عظمت و جلال، عفو و درگزر، قدرت و کمال کے بے پایاں اور لامحدود جلوے ضیا بار ہیں۔

سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے:

وَ لِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ(۱)

اور سب حسین نام اللہ ہی کے ہیں تو اسے ان ہی ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

اور لاتعداد بار درود و سلام ہوں اس ذاتِ ستودہ صفات پر جس کا اسوۂ حسنہ ہر دور، ہر نسل اور ہر سرزمین کے باسیوں کے لئے قیامت تک راہِ عمل قرار پایا، جس نے اپنے اسمِ مقدس کی محبوبیت اور ہر نقص سے پاک ہونے کی شان و عظمت کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَلَعْنَھُمْ؟ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَ یَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ(۲)

کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کے سب و شتم اور لعنت کو مجھ سے کس طرح دور کرتا ہے؟ وہ مذمم کو گالم گلوچ کرتے ہیں اور مذمم کو لعنت کرتے ہیں اور میں تو محمد (ﷺ) ہوں۔

وہ جن کی تعریف و توصیف کے ڈنکے چاردانگ عالم میں بجتے ہیں، وہ جن سے بڑھ کر کوئی حامد نہیں، وہ جن کے سبب اللہ تعالیٰ کفر کو نیست و نابود فرماتا ہے، قیامت کے روز لوگوں کا حشر جن کے نقش قدم پر ہوگا اور جن کی تشریف آوری کے بعد سلسلۂ نبوت اپنے اختتام کو پہنچا ہے، ارشاد گرامی ہے:

لی خمسۃ اسماء انا محمد و احمد و انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر

و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی و انا العاقب و العاقب الذی لیس بعدہ نبی (۳)

میرے بہت سے نام ہیں میں محمد (بہت زیادہ حمد کیا ہوا) ہوں، میں احمد (تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والا) ہوں، میں ماحی ہوں اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو نیست و نابود فرما دے گا، میں حاشر ہوں، قیامت کے دن لوگ میرے پیچھے چلیں گے، اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

جس کے نام نامی پر نام رکھنا قیامت تک حصولِ برکت کا باعث ہے، مشہور تابعی اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے قدیمی ساتھی حضرت جشیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَمّٰی بِاِسْمِیْ یَرْجُوْ بَرَکَتِیْ وَ یُمْنِیْ غَدَتْ عَلَیْہِ الْبَرَکَۃُ وَ رَاحَتْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ(۴)

جس کسی نے برکت اور نیک بختی کی امید پر اپنا نام میرے نام پر رکھا قیامت تک ہر آن اسے خیر و برکت حاصل رہے گی۔

افراد اور اشیا کے ناموں کے بارے میں اسوۂ رسول ﷺ

افراد اور اشیا کے ناموں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کیا ہے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّکُمْ تَدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِاَسْمَآءِ کُمْ وَ اَسْمَآءِ اٰبَآءِ کُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَ کُمْ (۵)

تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے، سو اپنے نام اچھے رکھا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب نام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآءِ کُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ (۶)

اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے محبوب ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

حضرت ابی وھب الجشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَسَمَّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَآءِ وَ اَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ